ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

"جب انسان کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے، صدقہ جاریہ، قابلِ انتفاع علم اور وہ نیک لڑکا جو اپنے والد کے حق میں مغفرت کی دعا کرے۔"

(مسلم شریف ۳/ وصیۃ: ۱۴)

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

شمارہ نمبر ۶-۷	جمادی الاولیٰ - اخریٰ ۱۴۲۲ھ جون و جولائی ۲۰۰۱ء	جلد نمبر ۳۵

معاون مدیر
انیس احمد فلاحی مدنی

مدیر مسئول
ابوالمکارم ازہری فلاحی

☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے
☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لیے: ۸۰ روپے
☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح
بلریاگنج اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
Phone:05466-23115

نقوش حیات نو

○ اداریہ			
	علم کی ضرورت واہمیت	انیس احمد مدنی	۳
○ [illegible]			
	[illegible] اسلام	محمد [illegible] فلاحی	۱۵
○ [illegible]			
	[illegible] کے اسباب	ڈاکٹر احسان حقی	۹
	[illegible]	ابوطوبیٰ فلاحی	۱۳
○ [illegible]			
	[illegible]	ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی	۱۹
	[illegible]	مولانا محمد سالم قاسمی	۲۸
○ [illegible]			
	[illegible] (آخری قسط)	ڈاکٹر محمود الطحان	۳۳
○ شبہات حول السنۃ	[illegible] (آخری قسط)	ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی	۳۶
○ مذاہب عالم			
	توریت کا تعارف (۷)	انیس احمد مدنی	۳۸
○ تعارف کتب	اسلامی مصادر کا تعارف (۸)	ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابوسلیمان	۵۰
○ احساسات وتاثرات			
	میری جنت، میری شفیق ماں	طاہر فراش	۵۷
○ فقہ وفتاویٰ	مندروں اور چرچ میں نماز ادا کرنے کا حکم	ابوالقاسم فلاحی	۶۰
	اردو زبان میں خطبہ جمعہ دینے کا حکم		
○ جامعہ کے لیل ونہار		ادارہ	۶۱
	نصاب تعلیم پر ایک اہم ورکشاپ		
	بین المدارس انعامی مقابلہ		
	ڈاکٹر عبدالعظیم صاحب اصلاحی کا خطاب		
	نو واردان بساط چمن		
	اظہار تعزیت		

اداریہ

علم کی ضرورت واہمیت

انیس احمد مدنی

علم سراپا روشنی وہدایت ہے اور جہالت تاریکی اور سراسر گمراہی سے عبارت ہے۔ یہ انسان کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی بندگی کی جانب لاتا ہے۔ مذاہب اور مسالک کی تنگیوں سے آفاق کی وسعتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ دلوں کی ویرانی اور وحشتوں کو دور کرکے خدائے بزرگ وبرتر کے جلال سے معمور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں جابجا علم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں! "جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لیے جنت کا راستہ آسان بنادیتے ہیں اور فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں اور علم کے لئے زمین وآسمان میں پائی جانے والی اشیاء حتیٰ کہ مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور زاہد پر عالم کی فضیلت ویسے ہی ہے جیسے چاند کو ستاروں پر۔ اور یقیناً علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء نے درہم ودینار کو ورثہ میں نہیں چھوڑا ہے یقیناً ان کا ترکہ علم ہے جس نے علم حاصل کرلیا اس نے ایک بڑا نصیبہ پالیا۔

اس کائنات میں تقدم وترقی علم پر موقوف ہے یہ علم کی فضیلت ہی تھی جس نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سرسجود کیا اور انہیں زمین کی خلافت کا مستحق بنایا اسلام کے نزدیک علم ایک اکائی ہے جس کی تقسیم ممکن نہیں جس طرح شرعی علوم دلوں کو خشیت الٰہی سے لبریز کرتے ہیں ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی اس عظیم کائنات، اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں اور ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں، تیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور کا تفصیلی علم اللہ تعالیٰ کی داستان کبریا وجبروت بیان کرتا ہے اور خدا کے تخلیقی کارناموں کا حقیقی علم انسان کو اللہ کے جلال سے لرزادیتا ہے اور اسے خدا کے سامنے سرنگوں کردیتا ہے۔

کس قدر تعجب کا مقام ہے وہ دین جس کی پہلی وحی کا آغاز "پڑھو" سے ہوا۔ اس کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد جاہل اور ناخواندہ ہے پورے عالم کے مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کی سب سے

بڑی وجہ صحیفہ ہدایت اور صحیفہ فطرت کے علم سے بے بہرہ رہنا ہے دنیا کی امامت و قیادت کا حصول اور آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول یہ دونوں چیزیں علم ہی پر موقوف ہے تو آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اپنی بستی کے کونے کونے میں اور اس عالم کے قریہ قریہ میں علم کی روشنی کو پھیلائیں گے اور جہالت کی تاریکیوں کو مٹائیں گے۔

اور پھر اس پر عمل کر کے دلوں کی حسرتوں، قبروں کی وحشتوں، حشر کی پشیمانیوں، پل صراط کی تاریکیوں کو مٹائیں گے۔ آیئے ایک بار پھر عہد کریں کہ علم کو سیکھیں گے اور اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو سنواریں گے کیونکہ شرعی علوم کا حصول جہاد فی سبیل اللہ کے مترادف ہے اور اس پر عمل سراپا روشنی اور بصیرت عطا کرتا ہے ارشاد ربانی ہے!

"اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منھا"

"کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو۔ (الانعام: ۱۲۲)

ظاہر ہے جس انسان کو انسانیت کا شعور حاصل ہو اور جو علم کی روشنی میں ٹیڑھے راستوں کے درمیان حق کی سیدھی راہ کو صاف دیکھ رہا ہو تو کیا وہ ان بے شعور لوگوں کی طرح دنیا میں زندگی بسر کرے گا جو نادانی و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہوں۔

روشنی کا سفر

آسیہ الظاہر کا قبول اسلام

محمد سہیل فلاحی

افسوس کے ساتھ مجھے یہ بات کہنی پڑ رہی ہے کہ شروع میں اسلام کے بارے میں میرا علم نہیں کے برابر تھا۔ میرے نزدیک اسلام ایک ایسا مذہب تھا جو مشرق وسطیٰ کے چند ترقی پذیر ممالک تک محدود تھا اور یہ کہ یہ مذہب عورتوں کے بارے میں ایک مظلوم طرز زندگی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ عورتیں اسلامی معاشرہ میں احساس کمتری کا شکار ہوتی ہیں یا کم از کم ان کو مردوں سے کم تر سمجھا جاتا ہے۔ یہ گھر میں مظلوم زندگی گذارنے والی مخلوق ہوتی ہیں جس کو مارا پیٹا جاتا ہے اور اپنے شوہر کی محبت کے حصول کی خاطر اسے چار عورتوں کے بیچ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ ایک ایسی محبت جس کو اس کا شوہر اگر چاہے تو چند کلمات کے ادا کرنے کے ساتھ ہی ان کو اس سے یکسر محروم کر دے۔ اس طرح کے خیالات مختلف لوگوں اور میڈیا کے بے بنیاد افواہوں کے ذریعہ میرے اندر پروان چڑھتے رہے اور اسی طرح سے سعودی اور ایرانی معاشرہ پر کچھ گمراہ کن دستاویزی بھی میں نے T.V. پر دیکھے تھے۔

آج سے تقریباً تین سال پہلے جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو متعدد مسلم ممالک کے طلبہ کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا شروع ہوا۔ بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ میں خود ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ میں نے ایک چیز کا غور مشاہدہ کیا کہ یہ لوگ اپنے آپ میں بہت مطمئن نظر آتے تھے اور باہم ایک دوسرے کے تئیں ان کی گرمجوشی اور کشادہ دلی نے مجھ کو بہت متاثر کیا۔

دھیرے دھیرے اسلام میں میری دلچسپی بڑھتی گئی اور عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کی اہمیت میری نگاہ میں زیادہ بڑھ گئی اور یہ جان کر کے مجھ کو بہت حیرت ہوئی اور سارے نظریات جو اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے میرے اندر پائے جاتے تھے سب بے بنیاد اور بالکل غلط تھے بالخصوص اسلام کے نظریہ مساوات سے میں بہت متاثر ہوئی جو اس نے عورتوں کو دے رکھا ہے۔ اسلام بحیثیت نظام حیات لوگوں کے تمام مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور امریکہ اور دیگر ممالک کا یہ پروپیگنڈا

کہ یہ مذہب دہشت گردی اور بنیاد پرستی کی تعلیم دیتا ہے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ انسان کو پہلے کسی معاملے پر غور کرنا چاہیے پھر اس موضوع پر اظہار خیال کرنا چاہیے کچھ اسی طرح کا معاملہ میرے ساتھ بھی ہے۔

دھیرے دھیرے اس مذہب کے حقائق میرے سامنے واضح ہوتے گئے اور میرے ذہن ودماغ میں ایک طرح کا ہیجان برپا ہو گیا۔ میں اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی تھی اسی لئے اسلام کے ماننے والوں کے ساتھ میرے اندر ایک طرح سے بھائی چارگی کا احساس پیدا ہونے لگا۔

جس نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ کہ اسلام ایک عملی مذہب ہے اور کس طرح سے یہ مذہب تمام رنگ ونسل اور مذہب کے لوگوں کو صرف ایک اصول سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بے پناہ احسان ہے کہ اس نے تمام خوبیوں اور نیکیوں کو مجھ پر واضح کیا جو میرے اندر پروان چڑھ چکی تھی۔ ۳۰ اگست ۱۹۹۴ء کے دن تقریباً ۴۰ لوگوں کی موجودگی میں میں نے کلمہ شہادت ادا کیا اور باقاعدہ طور پر اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئی اس دن کے انعامات کو میں کبھی نہیں بھول سکتی کہ کس طرح سے میں نے صرف قبول اسلام کے بعد ایک سال کے اندر اپنے آپ کو مکمل طور سے تبدیل پایا۔

اکثر مجھ سے یہ سوال پوچھا جاتا تھا کہ یہ تبدیلی مذہب کیا چیز ہے اور اس کے بعد درپیش مشکلات کو میں کس طرح برداشت کر پاؤں گی اگر چہ اس موضوع پر میں بہت بولنا نہیں چاہتی ہوں اس لئے کہ لوگوں کی رحم دلی حاصل کرنا میرا مقصد نہیں ہے پھر بھی میں مثال کے طور پر کچھ باتیں بتاؤں گی جن سے میرا سابقہ ہوا۔ قبول اسلام کے بعد پہلا رمضان میرے لئے شروع تا آخر بہت مشکل ثابت ہوا۔ میرے خاندان کی ناراضگی اور شدید اختلاف میرے بارے میں دھیرے دھیرے بڑھتے گئے۔ مجھ کو گالیاں دی جانے لگیں، بے عزت کیا جانے لگا اور مختلف قسم کی دھمکیاں ملتی تھیں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے کمرے کے سامان کو الٹ پلٹ دیا جاتا تھا اور کتابیں پر اسرار طور پر غائب کر دی جاتی تھیں اور مختلف قسم کے گمراہ کن اور بہتان آمیز باتیں فون پر میرے دوستوں اور ان کے والدین تک پہونچائی جاتی تھیں۔

ایسے دن بھی گذرے کہ مجھ کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا اور کھانا وغیرہ بھی باقاعدگی سے

نہیں ملتا تھا مجھ کو تکلیف پہونچانے کی غرض سے سور کا گوشت کھانے کو دیا جاتا تھا۔ مجھ کو خطوط وغیرہ لکھنے سے بھی روک دیا گیا قبل اس کے کہ میں اپنے محسنین کو اپنے بارے میں کچھ مطلع کرتی۔ ان گھریلو اور کھانے پینے کی پریشانیوں کے علاوہ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت تھی۔ کبھی کبھی پڑھائی کے نام پر میں فون کے ذریعے دوستوں سے بات کر لیا کرتی تھی۔ مسجد اور دیگر اسلامی مراکز تک اپنی سرگرمیوں کو میں ہمیشہ پوشیدہ رکھتی تھی اور اس طرح سے مجھے اپنے دوست واحباب سے زیادہ ملنے کی اجازت بھی نہیں تھی اس لئے کہ میرے خاندان والوں کا یہ خیال تھا کہ یہ لوگ اس کا زیادہ سے زیادہ ذہنی تطہیر یا Brain Wash کریں گے میں اس وقت تک نماز نہیں ادا کرتی تھی جب تک مجھ کو یہ یقین نہیں ہو جاتا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے، اور اسی طرح سے میں علی الاعلان رمضان کے روزے وغیرہ بھی نہیں رکھ سکتی تھی، میں یہ ن کر خوشی کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میری فلاں اسلامی بہن نے باقاعدہ حجاب پہننا شروع کر دیا ہے اور نہ ہی میں کسی مسلم دانشور کی تقریر یا وعظ وغیرہ پر رائے زنی کر سکتی تھی۔ میرے لئے اپنے والدین کے تاثرات تقریباً ناقابل برداشت تھے میں ان کی محبتوں سے تقریباً محروم ہو چکی تھی اور کبھی کبھی مجھے بہت الجھن ہوتی تھی کہ صرف میری وجہ سے میرے والدین اتنی زیادہ پریشانیوں اور الجھن کا شکار رہتے ہیں۔ پورے رمضان کے مہینے میں میری ماں نے مجھ سے ایک مرتبہ بھی گفتگو نہیں کی۔ کبھی والدین کی زبان سے یہ بات بھی میں سنتی تھی کہ تمہاری وجہ سے ہمارا خاندان تقریباً مفلوج ہو گیا ہے۔ مجھ سے بار بار یہ بات کہی جاتی کہ جو کام تم کر رہی ہو، ناقابل معافی ہے اور اگر مختلف رشتہ داروں اور احباب تک یہ خبر پہونچی کہ فلاں کی بچی مسلمان ہو گئی ہے تو وہ لوگ ہمارے خاندان کو اپنی برادری سے الگ کر دیں گے اس طرح کے جملے مجھے اکثر اپنے والدین سے سننے پڑتے تھی۔

تاہم اب میں یہ نہیں کہہ سکتی کہ میری زندگی مصائب سے پُر ہے بلکہ پہلے کے مقابلے میں اب میں زیادہ سکون سے ہوں ان تمام واقعات کے بیان کرنے سے ہرگز میری مراد یہ نہیں ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد آلام ومصائب کے سوا مجھے کچھ نہیں ملا۔ اس کے برعکس اسلام نے بہت ساری نعمتوں سے نوازا ہے اور یہ سوچ کر حیرت زدہ ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جنت کی شکل میں بہترین انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر چہ اسلام کو میں نے دل کی گہرائی سے قبول کیا تھا مگر یہ

کبھی نہیں سوچا تھا کہ اتنے جلد یہ مذہب میرے ظاہر و باطن کو بدل دے گا یا اتنی زیادہ میرے باطن میں بھی انقلابی تبدیلیاں آئیں گی۔ ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا "فرائض کے ذریعہ بندہ مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مجھ سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے" (صحیح بخاری)

یہ تمام چیزیں میرے ذاتی مشاہدے اور تجربے میں بھی آئیں۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام کے مطالعہ کے ذریعہ مجھے انسانوں کے معاملات اور سماج کو سمجھنے میں مدد ملی اور اسی طرح سے علم طبیعیات کے بارے میں بھی خاطر خواہ میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ جیسے جیسے میں پختہ عقل ہوتی گئی یہ حقیقت میرے سامنے عیاں ہوتی گئی کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو موجودہ زمانے میں پائے جانے والے تمام معاشی اور سماجی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ گذشتہ چند سالوں کے دوران میں نے اسلامی علوم اور قرآنیات پر اچھا خاصا عبور حاصل کرلیا ہے اور اپنے مطالعہ اور مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات میں کہہ سکتی ہوں کہ کوئی بھی ایسی چیز مجھے اپنے مطالعے کے دوران نہیں ملی جس کی بنیاد پر ایک منٹ کے لئے بھی اسلام کی حقانیت اور اس کے احکام پر شبہ کیا جائے۔ اس بات کا مجھے پورا یقین ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں ساری انسانیت کی فلاح اور کامیابی مضمر ہے، اور یہ اس مذہب کی برکت ہے کہ مجھ جیسی کمزور لڑکی کے اندر اعتماد پیدا ہوا ہے اور اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور محفوظ تصور کرتی ہے۔

اگر اس مختصر سے مضمون کے لکھنے اور بیان کرنے کا کچھ میرا مقصد ہے تو وہ یہ ہے کہ میں نے خدائے عظیم کی مہربانیوں اور اس کی عظمتوں کو بیان کیا ہے جو اس دنیا میں تمام ناممکن چیزوں کو ممکن بناتا ہے اور اپنے بندوں کے لئے مشکل کے وقت زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کرتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے" یہ سچ ہے کہ میں اس دنیا کے ان لوگوں میں سے ایک ہوں جو ہدایت کے نور سے مستفید ہوئے اور جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نور ہدایت کو قبول کرنے کی سعادت عطا کی۔

"انگریزی سے ترجمہ"

مقالات

ہندومت اور یہودیت میں تشابہ اور اس کے اسباب

ڈاکٹر احسان حقی
دمشق

ہندومت اپنے جملہ اصول و فروع اور عقائد و تطورات میں یہودیت کے مشابہ ہے میرا خیال ہے کہ یہ دونوں مذاہب ایک ہی اصل سے نکلے ہوئے ہیں اور دونوں کے تشریعی ماخذ ایک ہیں اور وہ بابلی تہذیب ہے۔ یہ دونوں مذاہب پہلی عالمی تہذیب کے گہوارے عراق سے نکلے ہوئے ہیں۔ قانون و شریعت میں یکسانیت کی وجہ یہ ہے کہ عراق سے بعض لوگوں نے قحط، خشک سالی یا حکمرانوں کے ظلم و جبر سے چھٹکارے کے لئے مشرق کی جانب ہجرت فرمائی اور ہندوستان پہونچ گئے اور یہاں ہندوئیت کی بنیاد رکھی اور کچھ لوگ مغرب کی جانب نکلے یہاں تک کہ فلسطین پہونچے اور یہودیت کی بنیاد رکھی فلسطین کی جانب رخ کرنے والے شخص ابراہیم علیہ السلام ہیں البتہ ہندوستان کی جانب رخ کرنے والے کو ہم نہیں جانتے۔ ظاہر ہے ہجرت کرنے والے لوگ اپنے آباء و اجداد کے معتقدات اور شریعت کے ساتھ گئے تھے اور پھر حالات و ظروف اور مقامی تہذیب سے ملنے کی وجہ سے اس میں مزید کچھ تطور ہوتا گیا یہی وجہ ہے کہ دوری اور ایک لمبے عرصے کی پراگندگی کے باوجود بھی یہ دونوں مذاہب ملتے جلتے ہیں۔ لفظ یہود، ہنود اصلاً ایک ہی لفظ ہیں جو صرف لہجہ اور مقامی تلفظ کی وجہ سے الگ الگ ہو گئے اور پھر یہ اتفاق کی بات نہیں ہو سکتی کہ یہودیوں کے جد "ابرہم، ابراہام یا ابراہیم" ہیں اور ہندوؤں کے جد امجد برہما یا برہم یا رام ہیں۔ لفظ ابراہیم آشوری لفظ ہے یہ تو لقب یا صفت ہے جو اسم کے قائم مقام ہے یہ لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے ابو اور امو یا آرامو، دونوں کے معنی آتے ہیں محترم یا معزز باپ، جب ابراہیم علیہ السلام دریائے فرات پار کرکے فلسطین آئے تو کنعانیوں نے آپ کو ابراہیم عبری کہا یعنی دریا پار کرنے والی جماعت کا باپ، تورات میں ہے!

ہندومت کے ظہور کی تاریخ تقریباً وہی ہے جس دور میں ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کرکے فلسطین آئے تھے اور جس طرح یہودیت بابلی اور مصری عقائد نیز احوال وظروف کے لحاظ بدلتے ہوئے احکام سے عبارت ہے اسی طرح ہندومت بھی بابلی اور قدیم ہندوستانی تہذیب کا نچوڑ ہے۔

آریوں نے ہندومت کی بنیاد رکھی ہے یہ لوگ کہاں سے آئے مؤرخین کی رائیں مختلف ہیں بعض لوگوں کے نزدیک یورپ سے بعض کے نزدیک عراق اور بعض کے نزدیک بحر ابیض المتوسط کے کسی علاقہ سے لیکن میرے نزدیک درج ذیل اسباب کی بناء پر راجح یہ ہے کہ یہ لوگ عراق سے آئے ہیں۔

۱: عراق پہلی عالمی تہذیب کا گہوارہ ہے فکری اور فلسفیانہ آراء کا منبع اور اس کی تہذیب سب سے قدیم ترین تہذیب ہے۔

۲: یقیناً وہ دین جسے آریوں نے ہندوستان میں پھیلایا وہ یہودیت سے عقائد اور فروع میں کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔ یہودیت بابلی اور مصری دین کا نچوڑ ہے اور بابلی تہذیب کے پاس یہودیت و ہندومت کا التقاء ہوتا ہے اور پھر دونوں مذاہب بعض فروع وجزئیات میں زمان ومکاں اور علاقہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

۳: آریہ کی اکثر دینی کتابیں اشعار کے روپ میں ہے اور فی البدیہہ شعر کہنا عراق کی ایک اہم خوبی ہے یورپ کی نہیں۔

۴: رگ وید میں بعض ایرانی وفارسی معبودوں کا ذکر میری اس رائے کی تائید کرتا ہے کہ ان لوگوں کے تعلقات ایران سے رہے ہیں اور یہ بات بدیہی ہے عراقیوں کی ہندوستان کی جانب ہجرت چند مراحل میں طے ہوئی ہوگی اور پہلا مرحلہ ایران رہا ہوگا جس طرح ابراہیم علیہ السلام کی مصر کی جانب ہجرت مراحل میں ہوئی پہلا مرحلہ حران پھر کنعان اور پھر مصر تھا۔

۵: آریوں کی شریعت کسی بھی پہلو سے یورپی شریعت سے میل نہیں کھاتی البتہ یہودی شریعت سے وہ بالکل میل کھاتی ہے اور اس قدر تشابہ پایا جاتا ہے جو دونوں کے مصدر کے ایک ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

پھر ہندومت جس طرح طبقاتی نظام پر مشتمل ہے اور برہمن اپنے آپ کو خدا کی چہیتی قوم سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح یہودی بھی اپنے آپ کو خدا کے چہیتے قرار دیتے ہیں۔ اور جس طرح ہندومت کے ہر طبقہ کے فرائض واعمال الگ الگ ہیں۔ چنانچہ مذہبی رسوم کی ادائیگی اور ویدوں کی تشریح جس طرح ہندومت میں برہمنوں کے لئے مخصوص ہے اسی طرح یہودیوں کے یہاں برکتوں کو دینے، قربانی کی مختلف رسموں کی ادائیگی صرف بنولاوی کیلئے خاص ہے۔

اور یہ بات بھی کم حیرت انگیز نہیں ہے کہ دونوں مذاہب اپنے تطور وارتقاء میں بھی بے حد مشابہ ہیں تو جس طرح عیسیٰ علیہ السلام تجدید یہودیت کے لیے آئے اور ایک نئے دین ''مسیحیت'' کی بنیاد رکھی اسی طرح گوتم بدھ نے بھی ہندومت میں اصلاح وتجدید کا فریضہ انجام دیا اور ایک نئے مذہب ''بدھ مت'' کی بنیاد رکھی۔

اور دونوں قوموں کے درمیان یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح توریت ابراہیم علیہ السلام کے ۱۶ صدیوں کے بعد لکھی گئی اور تقریباً دس صدیوں تک اس کی کتابت کا سلسلہ جاری رہا اسی طرح ہندوؤں کی کتابوں کی کتابت کا سلسلہ بھی دس صدیوں تک جاری رہا۔

پاکستان ٹائمس کے مطابق ایک اسرائیلی صحیفہ نے ۲۱/۱۱/۱۹۷۷ء کو یہ خبر نشر کی تھی کہ برما کی سرحد پر واقع ''مانی پور'' میں موجود سو ہندوؤں نے یہ اعلان کیا وہ یہودی النسل ہیں اور اسرائیل جانا چاہتے ہیں اور ان کا گمان ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے دس گمشدہ قبائل میں سے کسی ایک سبط کی نسل وذریت سے ہیں'' دہمز کاری اسرائیلی ایجنسی کے مطابق یہ لوگ اپنی حقیقت واصلیت کی تحقیق تک اسرائیل سفر کے انتظار میں ہیں''

ہندوستان میں ہندوؤں کی تاریخ فلسطین میں یہودیوں کی تاریخ سے بے حد مشابہت رکھتی ہے یہ دونوں قومیں رزق کی تلاش میں ان علاقوں میں آئیں اور پھر یہاں کی زمین پر قابض ہوگئیں اور دونوں قوموں نے اقتدار کی بنیادیں مذہب پر قائم کیں البتہ یہودی فلسطین میں اپنے تسلط کو مکمل طور پر قائم رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ کبھی ایرانیوں اور کبھی بابلیوں اور کبھی رومیوں کے حملہ کی وجہ سے بکھر گئے جب کہ آریہ ہندوستان کی وسعت کے باوجود یہاں اپنے اقتدار کو قائم کرنے اور یہاں کی اقوام کو اپنے اندر ضم کرکے ایک ہندوستانی قوم بنانے میں کامیاب رہے۔

آریوں نے ہندوستان پر اپنے قبضہ کو مختلف مراحل میں آگے بڑھایا پہلے شمالی مغربی علاقے پر انہوں نے اپنا تسلط جمایا، پھر شمال مشرق پر اور پھر پورے شمالی ہندوستان پر یعنی ہمالیہ پہاڑ کے دامن

سے کلکتہ تک اور مغرب میں ممبئی کے سواحل تک اور پھر یہاں صدیوں مقیم رہے۔ اور جنوبی ہندوستان کا انہوں نے قصد نہیں کیا شاید افراد کی قلت یا دڑاوڑوں سے ٹکرانا نہ چاہتے رہے ہوں۔

شمالی ہندوستان میں اقتدار کے حصول کے بعد، بادشاہوں کے لئے فرائض وقوانین کی فراہمی کی خاطر انہوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو لکھا اور سب سے پہلے رگ وید منظر عام پر آیا جس کے معنی مقدس علم کے آتے ہیں رگ وید نہ تو ایک شخص نے لکھا اور نہ ایک زمانہ میں لکھا گیا ہے بلکہ مختلف اشخاص اور افراد نے مختلف زمانوں میں اس کی تصنیف اسی طرح کی ہے جس طرح توریت وانجیل اور ان سے ملحق اسفار مختلف افراد نے مختلف زمانوں میں لکھا ہے۔

اور جس طرح یہودی یہ تصور رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احکام عشرہ کو اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے اسی طرح ہندوؤں کا بھی یہ تصور ہے کہ وید کو برہما نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے۔

یہودیت کی طرح ہندومت بھی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور ان کا دین براہ راست انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق قائم کرتا ہے ہندوؤں کے دین میں انبیاء اور رسولوں کے واسطے کی ضرورت نہیں بلکہ خود انسان کبھی انسان رہتا ہے اور کبھی خدا کے منصب پر جا پہنچتا ہے۔

مقالات

مشکل الحدیث کا تعارف

ابو طوبیٰ فلاحی

مشکل الحدیث کا مطلب یہ ہے صحیح سندوں سے دو ایسی حدیثیں مروی ہوں جو ظاہراً ایک دوسرے سے متعارض نظر آتی ہوں یا جن کا مفہوم مشکل نظر آتا ہو۔

اس علم کے ذریعہ ان کے مابین جمع وتطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جمع وتطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ مطلق احادیث کو مقید اور عام کی تخصیص کردی جائے یا ان کو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے یا ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دیا جائے (المشکل الحدیث: ۱۱، توضیح الافکار: ۴۲۳)۔

مشکل الحدیث کے اسماء:

مختلف الحدیث ومشکلہ کو "تطبیق حدیث" کا علم بھی کہا جاتا ہے بعض علماء اسے "اختلاف الحدیث" بعض "تاویل الحدیث" اور بعض "تلفیق الحدیث" کا نام بھی دیتے ہیں۔

اس فن کی اہمیت وضرورت:

علوم حدیث کا یہ ایک انتہائی اہم فن ہے۔ محدثین، فقہاء، اور عام علماء بھی اس فن کے محتاج ہیں۔ کیونکہ اس سے کلام نبوی سے تعارض دور ہوتا ہے اور مکلف کو احکام شریعت پر اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اس فن پر گفتگو صرف وہی کر سکتا ہے جو خداداد ذہانت اور وسیع علم کے ساتھ روایت ودرایت پر گہری نظر رکھتا ہو اور فقہ وحدیث دونوں فنون پر جسے کمال حاصل ہو امام سخاویؒ رقمطراز ہیں!

"فنون حدیث کے اہم ترین فنون میں سے ہے ہر طبقہ کے علماء اس کے ضرورتمند ہوتے ہیں اس فن پر گفتگو صرف وہی کر سکتا ہے جو حدیث وفقہ کی فنی اصطلاحات اور امور ومسائل کا امام اور دقیق معانی کے استنباط پر قدرت رکھتا ہو (فتح المغیث ص ۳۶۲-۳۶۳)۔

امام نووی التقریب میں لکھتے ہیں!

"یہ حدیث کا ایک نہایت اہم فن ہے۔ جملہ علماء کو اس کے جاننے کی ضرورت ہے اس فن کا مقصد یہ ہے کہ بظاہر متضاد المعنی احادیث میں جمع وتطبیق کی کوشش کی جائے یا ایک کو راجح اور دوسری کو

مرجوح قرار دیا جائے۔ اس فن میں وہ علماء دسترس رکھتے ہیں جو حدیث وفقہ کے جامع ہوں یا ماہر اصول ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کے معانی میں درک رکھتے ہوں۔(ص ۱۹۷)

فن مشکل الحدیث کی مختصر تاریخ:

عصر صحابہ ہی سے اس فن کا آغاز ہو گیا تھا۔ وفات نبوی کے بعد صحابہ کرام ہی امت کے لیے مرجع تھے۔ چنانچہ انہوں نے بے شمار احکام میں اجتہاد کیا اور مختلف متعارض نظر آنے والی احادیث کے درمیان جمع وتطبیق کی راہ نکالی۔ حضرت عائشہؓ کو اس فن پر کافی درک حاصل تھا مختلف ومتعارض احادیث وآیات کے درمیان آپ نے جمع وتطبیق دینے کی کوشش کی ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری کی یہ حدیث "ان المیت لیعذ بیبکاء اهله علیه" ظاہراً اس آیت سے متعارض ہے!"لا تزرو ازرة وزر أخرى" چنانچہ جب اس تعارض کا تذکرہ حضرت عائشہؓ سے کیا گیا تو آپ نے اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے فرمایا: "ان المیت" کے راوی ابن عمرؓ جھوٹ نہیں بولے لیکن یا تو غلطی کی یا بھول گئے (واقعہ یہ ہے کہ) ایک دفعہ اتفاقاً آپ ﷺ کا گزر ایک فوت شدہ یہودیہ کے گھر سے ہوا۔ اس کے اعزا واقارب رو رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ رو تے ہیں اور اس پر اس کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ (اختلاف الحدیث بهامش الجزء السابع من كتاب الأم للشافعی ص ۲۶۶) مقصود یہ ہے کہ یہ تو رو رہے ہیں اور مردہ اپنے اعمال کی سزا میں مبتلا ہے پھر فرمایا کہ ہر شخص اپنے فعل کا جواب دہ ہے اور استدلال میں یہ آیت تلاوت کی۔ (ولا تزروازرة وزر أخرى")۔

دوسری صدی ہجری میں معتزلہ کے آباء واجداد نے جب ان متعارض حدیثوں کو دین میں طعن کرنے کا ذریعہ بنایا تو امام شافعیؒ نے اس فن پر تصنیف کا آغاز کیا، اور اپنی مشہور کتاب "اختلاف الحدیث" لکھی اگرچہ آپ کتاب مکمل نہ کر سکے لیکن آپ نے اس فن پر کام کرنے کی راہ کھول دی۔

پھر اس فن کو مزید آگے امام ابو عبداللہ مسلم بن قتیبہ الدینوری (۲۷۶ھ) نے بڑھایا۔ اور اپنی مشہور کتاب "تاویل مختلف الحدیث" لکھی پھر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ) اور ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی (۳۰۷ھ) نے اس فن کو آگے بڑھایا اور پھر اس فن کو بام عروج تک ابو جعفر الطحاوی (۳۲۰ھ) نے پہنچایا اور اپنی تحقیق کے اعلیٰ نمونے "مشکل الآثار" میں پیش فرمائے۔

اور امام ابو الفرج الجوزی (۵۹۷ھ) کی کتاب "التحقیق فی احادیث الخلاف" بھی عمدہ کتاب ہے اور آخرش اس فن پر سب سے عمدہ گفتگو امام ابن خزیمہ نے کی ہے اس فن پر آپ کو اس قدر عبور حاصل تھا کہ آپ نے فرمایا! "میں کسی دو متناقض حدیثوں سے واقف نہیں ہوں اگر کسی کی نگاہ میں کوئی دو حدیث باہم متعارض ہوں تو وہ میرے سامنے لے آئے میں ان کے درمیان جمع وتطبیق کروں گا۔

وہ مشکل احادیث جن کے درمیان جمع وتطبیق ممکن نہ ہو اور کسی ذریعہ سے ان میں سے کسی ایک کے منسوخ ہونے کا علم ہو جائے تو ناسخ پر عمل ہو گا اور اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو ترجیح کی صورتوں میں سے کسی کو اختیار کریں گے، علماء نے سو سے زائد صورتیں ذکر کی ہیں۔ سیوطی نے سات اصولی صورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اگر کسی بھی صورت میں ترجیح ممکن نہ ہو تو توقف اختیار کیا جائے گا۔

وجوہ ترجیح وجمع:

الف: وجوہ ترجیح باعتبار متن:

۱: حرمت اباحت پر، ۲: قول اگر عام ہو اور فعل خصوصیت یا عذر کو محتمل ہو تو قول فعل پر، ۳: نفی اگر مستقل دلیل کی بنیاد پر نہ ہو بلکہ اصل حال وحکم کی رعایت میں ہو تو اثبات نفی پر، ۴: مفہوم شرعی مفہوم لغوی پر، ۵: جس حکم کی علت مذکور ہو وہ اس حکم پر جس کی علت مذکور نہ ہو، ۶: شارع کا بیان وتفسیر غیر کے بیان وتشریح پر، ۷: قوی دلیل کمزور پر راجح ہے۔

ب: وجوہ ترجیح باعتبار سند:

۱: قوی سند کمزور پر، ۲: عالی یعنی کم واسطوں والی سند نازل یعنی زائد واسطوں والی سند پر بشرطیکہ دونوں کے رواۃ ضبط میں ہم پلہ ہوں، ۳: فقاہت میں فائق راوی دوسری صورت کی سند عالی پر، ۴: متعدد رواۃ ایک پر، ۵: اتفاقی سند مختلف فیہ پر، ۶: اکابر صحابہ کی روایت اصاغر صحابہ کی روایت پر۔

ج: وجوہ جمع:۔

۱: تنویع (اگر دونوں عام ہوں تو الگ الگ انواع سے ان کا تعلق قرار دینا) ۲: تبعیض (اگر دونوں خاص ہوں تو الگ الگ حال پر یا ایک کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز پر محمول کرنا) ۳: تقیید (اگر دونوں مطلق ہوں یعنی بغیر کسی قید کے تو ہر ایک کے ساتھ قید لگا کر فرق ہو جائے) ۵: ایک کو دوسرے پر محمول کر:

(اگر ایک مطلق اور ایک مقید ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کریں گے مگر کچھ تفصیلات کے ساتھ مثلاً یہ کہ دونوں کا حکم اور سبب ایک ہی ہو)

فن مشکل الحدیث پر مشہور ترین کتابوں کا تعارف۔

۱: اختلاف الحدیث: امام محمد بن ادریس الشافعیؒ (۲۰۴ھ) اس فن پر موجود سب سے قدیم ترین کتاب ہے۔ مؤلف کا مقصود جملہ مختلف و متعارض احادیث کو یکجا کرنا نہ تھا آپ نے چند متعارض حدیثوں کا ذکر کر کے ان کے درمیان واقع تعارض و اختلاف کو دور کر کے تطبیق کی صورت پیدا کی ہے تاکہ آپ کا یہ عمل بعد کے علماء کے لیے قابل تقلید نہج بن سکے اس کتاب کے راوی ربیع بن سلیمان المرادی ہیں یہ کتاب ایک جلد میں امام شافعیؒ کی کتاب "الام" کے ساتویں جزء کے حاشیہ پر چھپی ہے۔

۲: تاویل مختلف الحدیث: ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (۲۶۷ھ)

دشمنان حدیث کے رد میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اعداء حدیث نے محدثین پر متعارض و متناقض احادیث نیز متشابہ اخبار کو روایت کرنے کا الزام لگایا تھا اسی شبہ کے ازالے کے لیے ابن قتیبہ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ اسلامی مصادر میں یہ کتاب بے حد اہمیت کی حامل ہے۔

تعارض و تناقض کو دور کرنے کی مثال ملاحظہ ہو۔

اعداء سنن کہتے ہیں تم لوگ نبی اکرم ﷺ سے یہ روایت کرتے ہو کہ "پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔ پھر اس کے برعکس تم لوگ یہ روایت بھی بیان کرتے ہو" "جب پانی دو قلہ ہو پہنچ جائے تو نجاست کو نہیں اٹھاتا" یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو پانی دو قلہ نہ ہو وہ نجاست کو اٹھاتا ہے اور یہ مفہوم پہلی حدیث کے سراسر خلاف ہے ابن قتیبہؒ اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔ "یہ حدیث پہلی حدیث سے متعارض نہیں نبی اکرم ﷺ کا یہ قول "پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی" اغلب و اکثر پر محمول کیا جائیگا۔ کیونکہ تالابوں اور کنوؤں میں عموماً پانی کافی گہرا اور زیادہ ہوتا ہے چنانچہ آپ کا یہ جملہ عام ہوگا جس سے بعض صورتیں مستثنیٰ و مخصص ہوں گی جیسے عرف عام میں کہا جاتا ہے: سیلاب کے بہاؤ کو کوئی چیز نہیں روک سکتی درانحالیکہ سیلاب کے بعض بہاؤ دیواروں سے بھی رک جاتے ہیں۔ ظاہر ہے مذکورہ بالا جملہ میں "سیلاب" سے مراد معمولی سیلاب نہیں بلکہ غیر معمولی سیلاب اور پانی کا بہاؤ مراد ہے۔

اور اسی طرح عرف عام میں یہ بھی کہا جاتا ہے آگ کے سامنے کوئی چیز نہیں رک سکتی تو ظاہر ہے آگ سے مراد چراغ کی لو نہیں جو پھونکوں سے بجھ جائے اور نہ ہی آگ سے مراد چنگاریاں ہیں بلکہ اس سے مراد لگی ہوئی آگ ہے اسی طرح آپ ﷺ کے اس جملہ "الماء لاینجسه شیئ" میں پانی سے مراد بہتا ہوا یا کافی مقدار میں ٹھہرا ہوا پانی ہے اور پھر حدیث قلتین سے آپ ﷺ نے یہ واضح فرما دیا کہ پانی اگر دو قلہ سے کم ہو تو ایسی صورت میں اس کے گدلے ہونے کا احتمال ہے۔

محتویات کتاب: آغاز میں مؤلف نے سبب تالیف پر روشنی ڈالی ہے اور پھر مختصراً متکلمین اور اہل الرائے کا تعارف کرایا ہے اور پھر احادیث پر کبار معتزلہ کے شکوک و شبہات کا تفصیلی ذکر کیا ہے سب سے پہلے نظام کے ذریعہ ابو بکر، عمر، علی، ابن مسعود، حذیفہ اور ابو ھریرۃ رضی اللہ عنھم پر کیے گئے اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد، ہر ہر اعتراض کا علمی وفنی جواب دیا ہے۔

نظام کے بعد ابو الہذیل العلاف کی مضحکہ خیز آراء اور پھر عبیداللہ بن الحسن کے تناقضات اور فرقہ بکریہ کے بانی بکر کے لایعنی اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے پھر ہشام بن الحکم کے آراء کا تجزیہ کیا گیا ہے اور پھر معتزلہ کے خطیب و امام جاحظ کے افکار و آراء پر تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے اور اس کے دجل و فریب اور کذب و افتراء اور وضع حدیث سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔

امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ آغاز میں، میں معتزلہ اور متکلمین سے متاثر تھا ان کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ جب میں نے کلام الٰہی کی تاویل میں ان کی جسارت اور صحیح احادیث کو جھٹلانے کے ان کے موقف سے واقف ہوا تو میں نے ان کی مجلسوں میں جانا چھوڑ دیا۔

معتزلہ کے بعد آپ نے روافض کے اس نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیا ہے کہ قرآن کے علم باطن کا علم صرف انہیں کے پاس ہے یہ علم انہیں جعفر الصادق عن علیؓ کے توسط سے ملا ہے۔

روافض کے بعد آپ نے محدثین کے مسلک اور ان کے حق پر ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کی کوشش کی ہے جن کے درمیان معتزلہ اور متکلمین تناقض و تعارض کے قائل تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عموماً مستشرقین اور ان کے حواری احادیث و رواۃ حدیث کے

تئیں انھیں شبہات کو اپنی کتابوں اور تحریروں میں جگہ دیتے ہیں جن شبہات کا تفصیلی اور مسکت جواب امام ابن قتیبہؒ نے اپنی اس کتاب میں دے دیا ہے یہ پورا کام بلا حوالہ کے کیا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات صحابہ اور رواۃ حدیث پر ان شبہات کی نسبت خود ابن قتیبہؒ کی جانب کر دی جاتی ہے کہ آپ کی فلاں صحابی کے بارے میں یہ رائے تھی اور اس علمی خیانت کے ساتھ ساتھ عموماً یہ تاثر بھی پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ مسلمانوں کے مسلمہ اصول ہیں اور پھر ان پر اپنے نقد و طعن کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ابن قتیبہ کی اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ مستشرقین کے شبہات کا مطالعہ کریں تو یہ بات کھل کر آپ کے سامنے آئے گی کہ ان کے نقد کا زیادہ تر حصہ ابن قتیبہ کی اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

۳۔مشکل الآثار: امام ابو جعفر احمد بن الطحاوی (۳۲۱ھ)

اس موضوع کی عظیم القدر اور محمود ترین کتاب ہے۔ مؤلف کتاب کے مقدمہ میں سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: نبی اکرم ﷺ سے صحیح سندوں سے منقول بعض احادیث کو میں نے دیکھا کہ ان کی صحیح حقیقت سے اکثر لوگ ناواقف ہیں چنانچہ میرے دل میں ان پر غور و فکر کرنے اور ان احادیث کے مشکل مباحث کی توضیح، فقہی احکام کا استخراج، مستحیل اور مستبعد امور کی نفی کی خواہش اور رجحان پیدا ہوا۔ میں نے اس کتاب کو متعدد ابواب پر تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں جو توفیق ایزدی جو مجھ سے ہو سکا میں نے اس کی توضیح و تبیین کرنے کی کوشش کی ہے۔

بحث و نظر

مستشرقین اور نقد حدیث

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی

مستشرقین اور ان کے متبعین کے نزدیک محدثین کے متون احادیث کی تحقیق کے اصول بے حد کمزور ہیں چنانچہ انہوں نے نقد احادیث کے اپنے اصول و ضوابط متعین کیے ہیں۔ اور ان کی روشنی میں متون کو پرکھنے کی کوشش کی ہے سطور ذیل میں عصر قریب کے بعض اہم مستشرقین کی آراء کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ونسنک (wensink) کا طریقہ نقد حدیث۔

ونسنک کے نزدیک محمد ﷺ کے انتقال کے متعدد سالوں کے بعد افکار و عمل میں تطور واقع ہوتا رہا اور اس تطور و ترقی نے روحانی قائدین کو اس بات کا موقعہ فراہم کیا کہ وہ روح اسلام کو احادیث کی شکل میں بیان کر سکیں۔ جس میں سب سے اہم "بنی الاسلام علی خمس" اور عقیدہ و شہادت والی حدیث ہے۔ (دیکھئے Muslim Creed :32)

ان دونوں حدیثوں کے موضوع ہونے کی دلیل ونسنک کے نزدیک یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے عہد میں اسلام میں دخول کے لئے کسی معین کلمہ کی ادائیگی رائج نہ تھی اور جب مسلمانوں کی ملاقات شام میں نصاریٰ سے ہوئی اور انہوں نے ان کے یہاں مسیحیت میں دخول کے لئے ایک متعین کلمہ پایا تو انہیں اسی کے مثل کلمہ ایجاد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے اسلام کی روح و خلاصہ کو ان دونوں احادیث کی شکل میں پیش کر دیا اس لیے ان دونوں حدیثوں کو فرمان نبی ﷺ تسلیم کرنا ممکن نہیں۔

ونسنک کو یہ بات خوب معلوم تھی کہ شہادتین اس تشہد کا جزء ہے جو ہر دو رکعت کے آخر میں پڑھا جاتا ہے لہٰذا ونسنک کے اوپر یہ بات لازم تھی کہ وہ اپنا نقطہ نظر تبدیل کر لیتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے نماز ہی کو بدلنے کی کوشش کر ڈالی اور یہ دعویٰ کر دیا کہ نماز کی موجودہ شکل وفات نبوی کے بعد پایۂ تکمیل کو پہونچی ہے۔ (دیکھئے Muslim Creed 32)

غور کیجئے یہ کتنی تعجب کی بات ہے کہ قرآن مجید بار بار نماز کا حکم دیتا ہے اور نماز سے متعلق احادیث کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے اس کے باوجود بھی آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز کی ادائیگی کا مکمل طریقہ نہ سکھایا اور اسے ناقص چھوڑ دیا اور پھر اس کی موجودہ حتمی اور آخری شکل عہد صحابہ میں تشکیل پائی۔

معاملہ اسی پر ختم نہیں ہوتا۔ اسلام میں نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے اور مسلمان باجماعت نماز ادا کرتے رہے ہیں جیسا کہ قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں اور پھر ہجرت کے پہلے یا دوسرے سال میں اذان مشروع قرار پائی جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں اذان کا تذکرہ ہے (آیت ۹)۔ اور شہادتین اذان کا ایک اہم جزء ہے۔ تو آخر ان مسلمہ حقائق کی روشنی میں ونسک کی مذکورہ بالا تحقیقات و تدقیقات کی کیا کوئی وقعت باقی رہ جاتی ہے کیا ان کی یہ تحقیق بے اصل و بے بنیاد نہیں قرار پائی۔ ہاں البتہ اگر ونسک اذان کے بارے میں بھی یہ ثابت کردیں کہ اذان کا سلسلہ بھی عہد نبوی کے بعد جاری ہوا ہے اور شاید مسلمانوں نے بیزنطہ کے نصاریٰ سے اسے سیکھا ہے تو ان کی اس تحقیق کا کوئی وزن ہو سکے۔ یہ ہے نقد حدیث کی ایک مثال جسے ایک ایسے مستشرق نے پیش کیا ہے۔ جس نے اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث کی تیاری میں لگایا تھا۔

پروفیسر شاخت کا طریقہ نقد حدیث:

موسیٰ بن عقبہ الاسدی (۱۴۱ھ) کی فن مغازی پر ایک بے نظیر کتاب ہے۔ جس کی تعریف کبار علماء و محدثین نے کی ہے۔ مالک بن انسؒ کہتے تھے: موسیٰ بن عقبہ کی کتاب مغازی کو پڑھو کیونکہ وہ معتبر راوی ہیں۔ (الجرح والتعدیل۔ رازی: ۱/۴/۱۵۴)۔ البتہ عصر حاضر میں آپ کی یہ کتاب غیر معروف ہے صرف طبری اور ابن عبدالبر کی "الدرر فی السیر والمغازی" میں اس کے بعض اقتباسات اور ریفرنس پائے جاتے ہیں۔ (دیکھیے طبری ۱/۱۴۹۸۱۔ ۳۰۷۴، ۳۱۳۰، ۳۱۲۷)۔

برلین میں اس کا ایک مخطوطہ "۱۵۵۴" کی رقم کے تحت موجود ہے یہ صرف چند احادیث پر مشتمل ہے شاید یہ یوسف بن محمد بن عمر بن قاضی شہبہ کا انتخاب ہے جسے جرمنی ترجمہ کے ساتھ ادوارسخاؤ نے بعض حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے۔

Sachau, Das Berliner Fragment Des Musa Ibn- Ukba,

Sitzung- Der phil- HistClasse Feb- 1904- pp.465- 470-

اس مخطوطہ کی طباعت کے نصف صدی بعد پروفیسر شاخت نے موسیٰ بن عقبہ کی اس کتاب کا تنقیدی مطالعہ کیا اور اس کی احادیث پر نقد کیا ہے۔

شاخت کہتے ہیں کہ انہوں نے متون احادیث کا گہرائی و گیرائی سے جائزہ لینے کی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے اور وہ درج ذیل نتیجہ تک پہونچے ہیں۔

عہد نبوی کے مدنی دور سے متعلق سیرت نبوی کا زیادہ تر حصہ جو دوسری صدی میں منظر عام پر آیا وہ دوسری صدی ہی کی تخلیق ہے اس لئے اس کی کوئی تاریخی قدر و قیمت نہیں ہے کیونکہ وفات نبوی پر ڈیڑھ صدی کے گزر جانے کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں نبی اکرم ﷺ کا ایک مبہم اور غیر واضح تصور ہی باقی رہا ہوگا اور اس کے باوجود سیرت میں واقع خلل اور گیپ کو پر کرنے کے لئے مواد بڑھا دیئے گئے اور اسے ایک منطقی ترتیب سے مرتب کر دیا گیا اور پھر انہیں احادیث کی شکل میں سندوں سمیت ڈھال دیا گیا اور یہ پورا عمل دوسری صدی ہجری میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔

Schact on Musab- Ugba's kitab al-Maghazi

Acta orientalia- vol-xx1, 1953- p-290

مذکورہ بالا یہ نتائج جو شاخت کو فقہی احادیث کے مطالعہ کے بعد حاصل ہوئے ہیں اس نے انہیں فن سیرت میں بھی تطبیق دینے کی کوشش کی۔ شاخت کے اعتراضات کا جائزہ لینے سے پہلے میں مغازی کی درج ذیل احادیث کے متون کو پیش کر رہا ہوں تاکہ ان کی جانب رجوع آسان ہو۔ حدیث رقم ۶، ۸، ۹ اور ۱۰۔

حدیث رقم ۶: انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ بعض انصار نے آپ ﷺ سے یوں اجازت طلب کی۔ اے رسول اللہ ﷺ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھتیجے عباسؓ کے زرفدیہ کو چھوڑ دیں۔ تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

حدیث رقم ۸: ابن عمر کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسامہؓ کی قیادت پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کا یوں دفاع کیا۔ اگر تم اسامہ کی قیادت پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے اس کی والد کی قیادت پر بھی تم لوگوں نے اعتراض کیا تھا اور خدا کی قسم وہ قیادت و امارت کے حقدار تھے اور میرے نزدیک تم سب میں سب سے زیادہ پسندیدہ تھے اور ایسے ہی اسامہؓ بھی ان کے بعد میرے نزدیک ایک محبوب ترین شخص ہیں لہذا میرے بعد ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا کیونکہ وہ تم لوگوں کے افضل اور بہترین لوگوں میں سے ہیں۔

حدیث رقم ۹: ابن عمر کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی مستثنیٰ نہیں کرتے تھے۔

حدیث رقم ۱۰: انس بن مالکؓ کہتے ہیں: واقعہ حرہ کے موقعہ پر میری قوم کے جو لوگ شہید ہوئے تھے ان پر مجھے حد غم رہا کرتا تھا۔ چنانچہ زید بن ارقم نے میرے پاس اس غم کی خبر سن کر خط لکھا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے اے خدا الانصار اور ابناء الانصار، کی مغفرت فرما اور ہم تجھ سے انصار کے پوتوں کے سلسلے میں بھی فضل کے خواہشمند ہیں۔

شاخت کا نقد: مغازی کے محتویات دوسری صدی کی احادیث کی طرح ہیں ان میں عباسیوں کے تئیں ہمدردی اور علویوں کے خلاف شدید نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں اور خصوصاً خلافت ابی بکرؓ کے تعلق سے پائی جانے والی ہمدردی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ احادیث خلافت عباسیہ کے آغاز کے بہت بعد گھڑی گئی ہیں۔ اس لئے یہ بات تسلیم کرنا بے حد مشکل ہے کہ موسیٰ بن عقبہ ہی اس کتاب کے مؤلف ہیں کیونکہ ان کا انتقال عباسی خلافت کے آغاز میں ہی ہو گیا تھا۔ (Schact, on Musab Uqba's p.290)

شاخت کا تفصیلی نقد:

حدیث رقم ۶: شاخت کے مطابق یہ حدیث حکمراں طبقہ کی مصلحت میں فضا کو سازگار بنانے کے لئے وضع کی گئی ہے۔ عباسیوں کے جد امجد عباسؓ کی غزوہ بدر میں گرفتاری کا واقعہ ذکر کر کے جو نبی اکرم ﷺ کے خلاف جنگ کر رہے تھے اور جنہیں مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تھا لہٰذا ان پر بھی دیگر قیدیوں کی طرح یہ بات واجب تھی کہ وہ زر فدیہ دیں۔

حدیث رقم ۸: اسماعیل بن ابراہیم (متوفی ۱۶۰ھ) نے اس حدیث کو سالم بن عبداللہ متوفی: (۱۰۶ھ) سے براہ راست روایت کیا ہے۔ اور اس کی روایت موسیٰ کے واسطے سے نہیں کی ہے اس ذہنی گیپ اور فاصلہ کو پر کرنے کے لئے بخاری میں موسیٰ بن عقبہ کا نام داخل کر دیا گیا ہے اس لئے اس حدیث کو موسیٰ بن عقبہ کی اصلی کتاب کا جزء سمجھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

حدیث رقم ۹: یہ حدیث ذریت نبی ﷺ کے لئے حدود و تعزیرات میں خصوصی امتیازات کا انکار کرتی ہے لہٰذا اسے علویوں کے خلاف سمجھا جائے گا۔

حدیث رقم ۱۰: یہ حدیث قبیلہ انصار کی تعریف کرتی ہے جو حکمراں طبقہ کے ہمنوا اور عباسیوں کی صف میں شامل تھے۔ لیکن کیا تاریخی حقائق پر مبنی یہ نقد اور عقلی اختراع مستشرقین کے درمیان متفق علیہ ہے یا کوئی رائے اور استدلال شاخت کے استدلال سے مختلف بھی ہے؟ گیولیوم کہتے ہیں: موسیٰ بن عقبہ آل زبیر اور انصار کے ساتھ ہمدردی کا رویہ رکھتے تھے اور علوی ان کی نظر میں دوسروں سے بہتر نہیں تھے، رہے اموی تو وہ ان کے نزدیک واقعہ حرہ کی بناء پر ملامت کے مستحق تھے۔ اور عباسؓ نبی اکرم ﷺ کے خلاف انتقام کی غرض سے نکلتے ہیں نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے ہی کی بناء پر انہیں اپنی استطاعت کے مطابق فدیہ دینے پر مجبور کیا گیا تھا۔ (Guillaume- Sirat of ibnishaq- introduction) (XLVII)

مستشرقین کے اعتراضات کا علمی جائزہ:

"حدیث رقم ۶": مذکورہ بالا تحقیقات سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ گیولیوم حدیث رقم ۶ (جس میں عباسؓ کی گرفتاری اور زر فدیہ دینے کا بیان ہے) سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ حدیث عباسیوں کے خلاف ہے درانحالیکہ اسی حدیث میں شاخت عباسیوں کے لئے ہمدردی کے جذبات پاتے ہیں۔ ہم ان دونوں استنباطات کے درمیان جمع و تطبیق کی کوئی صورت نہیں پاتے ہیں کیونکہ نقیضین کے درمیان جمع ممکن نہیں اور یہ پہلی دلیل ہے مستشرقین کے اس منہج کے خلاف جس کا انہوں شور و غوغا کر رکھا ہے۔ دوسرے پہلو سے غور کیجئے۔ عباسؓ نبی اکرم ﷺ کے چچا ہیں اور چچا باپ کے مانند ہوتا ہے اور مشرق میں چچا کا مقام معروف و واضح ہے اور یہ بات ممکن تھی کہ نبی اکرم ﷺ کا بھی آپ کا زر فدیہ انصار کی خواہش کے مطابق معاف کر دیتے لیکن آپ نے اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا "نہیں خدا کی قسم ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

گویا آپ ﷺ نے اس حادثہ میں عباسؓ کی جانب کسی بھی ہمدردی کا اظہار نہ کیا۔ اس لئے شاخت کا یہ خیال کہ اس میں عباسیوں کے تئیں ہمدردی پائی جاتی ہے۔ عقل و منطق کے خلاف ہے۔ پھر یہ حدیث اگر عہد عباسی میں عباسیوں کی مصلحت میں گھڑی گئی تو کیوں نہ عباسیوں نے سرے سے اس واقعہ کو ہی الٹنے کی کوشش کی؟ کیوں نہ عباسیوں نے اپنے جد امجد کی سیرت پر لگے اس دھبہ کو دھونے کی کوشش کی؟ خصوصاً اس کلمہ کو کیوں نہ حذف کر دیا "لا والله لا تذرون درهما" تاکہ لوگ ان کے جد امجد عباسؓ کی آخری درہم کی ادائیگی کے لئے بے بسی کو نہ دیکھ پاتے۔

اگر واقعہ یہ احادیث شاخت کے بقول عہد عباسی میں علویوں کے خلاف گھڑی گئی تو کیوں نہ اس طرح کی احادیث پہلی صدی ہجری میں گھڑی گئیں جب علویوں اور امویوں کے درمیان شدید نزاع پایا جاتا تھا۔ تو آخر کیا مانع ہے کہ یہ حدیث پہلی صدی ہجری میں نہ گھڑی گئی ہو۔ اس لئے یہ سوال کرنا ہمارے لئے جائز ہے کہ دوسری صدی کے نصف میں اس حدیث کے منظر عام پر آنے کی معقول وجہ کیا ہے اس سے پہلے یہ حدیث موجود کیوں نہیں ہو سکتی؟

حدیث رقم ۸: شاخت نے اس حدیث کے مغازی موسیٰ میں موجود ہونے سے انکار کیا ہے اور اس حکم کی بناء سند میں موجود ایک غلطی پر رکھی ہے۔ حقیقت میں یہ غلطی سند کی نہیں بلکہ کتابت کی ہے۔ یہ مخطوطہ موسیٰ بن عقبہ کی تحریر نہیں ہے بلکہ اسے آٹھویں صدی میں منتخب کیا گیا ہے۔ پھر اس منتخب کا ایک ہی نسخہ پایا جاتا ہے اور یہ بات محققین سے پوشیدہ نہیں کہ جملوں اور کلمات کو نقل کرنے میں ناقل دھوکہ کھا جاتی ہے خصوصاً جب کہ ایک ہی جملہ بار بار آیا ہو۔

اور چونکہ راوی اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ اور مؤلف موسیٰ بن عقبہ ہیں لہذا عقبہ کا نام کا تکرار اس قسم کی غلطیوں کے وقوع کے لئے کافی ہے ہوسکتا ہے اصل عبارت یوں رہی ہو: ''اسماعیل بن ابراہیم عن ابن عقبہ'' اور پھر لفظ ''عن'' ساقط ہوگیا ہو۔ اس قبیل کی غلطیاں محققین کے نزدیک معروف ہیں لہذا کتابت میں واقع اس غلطی پر نقد کی بنا رکھنا غیر علمی اور غیر منطقی طرز عمل ہے۔ الا آنکہ ہم یہ فرض کرلیں انسان کبھی غلطی ہی نہیں کرسکتا اور اگر یہ مفروضہ بھی فرض کرلیں تو شاخت ایک بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ مثلاً ''سخاؤ'' (Sachau) نے اس منتخب کی اشاعت کے وقت یہ حدیث ان لفظوں میں نشر کی ہے ''ان اللہ لا یؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر'' درانحالیکہ مخطوط کی اصل صورت میں یہ حدیث یوں ہے: ''ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر''۔

Sachau, Op. Cit. P.467 and the Fragment's photo-
"Published by him"

غور کیجئے کیا سخاؤ نے عمداً ایسا کیا ہے؟ پروفیسر شاخت کا جواب ہوگا، ہاں۔ ہم کہیں گے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ پروفیسر شاخت اس سے بھی بڑی ایک مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔

شاخت اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: کہ ابراہیم نخعیؒ جانتے تھے کہ نماز میں قنوت کا پڑھنا بدعت ہے جو وفات نبی ﷺ کے بعد علی اور معاویہ کے عہد میں گڑھی گئی۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ اس باب میں نبی اکرمؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ سے کوئی اثر منقول نہیں ہے جیسا کہ امام ابو یوسف کی کتاب ''الآثار'' کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے۔ (Schacht- Origips- 60)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ ہم مذکورہ بالا کتاب میں شاخت کے دعوی کے برعکس صورتحال پاتے ہیں۔ چنانچہ ابو یوسف کی ''الآثار'' میں قنوت کے تعلق سے ایک متصل اور دوسری مرسل حدیث موجود ہے۔

ہمیں نہیں معلوم شاخت اپنے لئے کون سا موقف پسند کریں گے۔ آیا انہوں نے قصداً ایسا کیا ہے یا انہیں نقل کرنے میں ذہول ہوگیا ہے بہر حال انہیں مکمل آزادی ہے کہ وہ پہلے جواب کو اختیار کریں البتہ ہمارا جواب تو یہ ہوگا کہ ہوسکتا ہے ذہول ونسیان کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہو کیونکہ ذہول ونسیان انسان کی فطرت ہے اور جب صورتحال یہ قرار پائی تو حدیث رقم ۸ میں سند کی کتابت کی غلطی کا صدور ذہول ونسیان کو قرار دیا جائے گا۔

حدیث رقم ۹: شاخت کہتے ہیں ''حدیث رقم ۹'' علویوں کے خلاف ہے کیونکہ یہ حدیث قانونی

جزائی میں علویوں کے لئے کسی امتیاز کا انکار کرتی ہے لیکن کیا آپ ﷺ نے قانون جنائی میں امتیازات کو طلب کیا تھا۔ کیا آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش نہیں کیا تھا اور کیا اس قصہ میں کوئی ایسا اشارہ پایا جاتا ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکے کہ آپ ﷺ یا آپ کی نسل و ذریت قانون سے بالاتر ہے کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ کیا قضاء اور شریعت کے سامنے لوگوں کی مساوات پسندیدہ اور مستحسن نہیں تو بجائے اس کے کہ شاخت اس حدیث میں یہ دیکھتے کہ جملہ مسلمان قانون کی نگاہ میں برابر ہیں وہ اس میں علویوں کے خلاف مواد پاتے ہیں، اور پھر کیا علیؓ نے کبھی کسی دن یہ دعوی کیا کہ وہ قانون وشریعت سے بری ہے تو آخر کس بنیاد پر اس حدیث کو علویوں کے خلاف گمان کیا جائے؟۔

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو شاخت اس حدیث کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکے ہیں۔ اس حدیث کا قانون جزائی یا قانون عقوبات سے کوئی تعلق نہیں ہے اور حقیقت میں یہ حدیث (۹) مستقل حدیث نہیں بلکہ حدیث نمبر (۸) کا جز ہے اور سخاؤ کو اس جملے کی سند کے مستقل ہونے کی بناء پر نمبرنگ میں غلطی ہوئی اور اس نے سند کی تکرار کی وجہ سے اسے ایک مستقل حدیث گن لیا اور پھر شاخت نے غور وفکر کے بغیر ان کی پیروی کرلی۔ یہ حدیث قریب وبعید کہیں سے بھی تعزیراتی قوانین پر بحث نہیں کررہی ہے۔ بلکہ اس میں اسامہ کی امامت وقیادت پر بعض لوگوں کے اعتراض کا تذکرہ ہے۔ جس کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا! اسامہ میرے نزدیک محبوب ترین شخص ہیں ابن عمر اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس بات کو کہتے وقت آپ ﷺ نے نہ تو فاطمہ کو مستثنیٰ کیا اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کو طیالسی نے حدیث کے اس حصہ کو حماد عن موسیٰ بن عقبہ کے توسط سے یوں نقل کیا ہے۔ "اسامة احب الناس الی ولم یستثن فاطمة ولا غیرها" اسامہ میرے نزدیک محبوب ترین شخص ہیں اور آپ نے نہ فاطمہ کو مستثنیٰ کیا اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کو (مسند الطیالسی حدیث رقم ۱۸۱)

اسی طرح یہ حدیث ان دونوں اجزاء کے ساتھ دوسرے مصادر میں بھی پائی جاتی ہے چنانچہ ابراہیم بن طہمان (۱۶۳ھ) نے اس حدیث کو اپنے شیوخ سے موسیٰ بن عقبہ کے واسطے سے براہ راست نقل کیا ہے۔ (دیکھئے جزء ابراہیم بن طہمان ورقہ ۲۵۰/۱)

اور اسی طرح اس مکمل حدیث کو طبرانی (۳۶۰ھ) نے عبدالعزیز بن المختار عن موسیٰ بن عقبہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ (المعجم الکبیر ۲۸۶۶/۵-۱)

حدیث رقم ۱۰: شاخت کہتے ہیں حدیث رقم ۱۰ انصار کی تعریف کرتی ہے جو صحابیوں کی صف

میں تھے لہذا یہ حدیث بھی علویوں کے خلاف لکھی گئی ہے۔ لیکن بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ شیعہ علماء نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں بار بار جگہ دی ہے۔ (دیکھئے: المجلسی، بحار الانوار ۲۱ر ۱۵۹۔۱۶۰۔ مجمع البیان الطبرسی ۵:۱۸۔۲۰۔ ابن ابی الحدید۔ نہج البلاغہ ۲:۲۵۳)۔

شیعوں کی کتب حدیث میں اس حدیث کا اندراج شاخت کے استدلال کو شک و شبہ کے دائرہ میں لا کھڑا کرتا ہے کیونکہ شیعہ بیشتر صحابہ کرامؓ کو معدودے چند صحابہ کے دائرہ اسلام سے خارج مانتے ہیں اس کے باوجود بھی انہوں نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے تو کیا انہیں اندھے پن نے آگھیرا تھا کہ وہ یہ نہیں دیکھ پا رہے تھے کہ یہ حدیث علویوں کے خلاف ہے اور اس کا تنبہ ان کو نہ ہوا صرف پروفیسر شاخت کو ہی اس کا احساس ہو سکا۔

دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ حدیث گیولیوم کے بقول امویوں کے خلاف ہے کیونکہ یہ حدیث واقعہ حرہ کی بناء پر انہیں زجر و توبیخ کرتی ہے۔ اور حقیقت میں ہم گیولیوم کی رائے سے اس وقت تک اتفاق نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم اس واقعہ کو فطری قانون کے برخلاف نہ جاری کر دیں اور یہ نہ کہنے لگیں کہ جمہور پر مجرموں اور قاتلوں کی تمجید واجب ہے اور اس اساس کی رو سے مغربی دنیا کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ نازی ازم کے علمبردار اس ہٹلر کی تعریف و تمجید بیان کریں جس نے ان کی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

دوسرے پہلو سے غور کیجئے انصار ہی نے آپ کو پناہ دی، اور اس وقت آپ کی مدد و پشت پناہی کی جب آپ مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور تھے اور اہل مکہ آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے تو اس وقت انصار نے آپ کا دفاع کیا اور آپ کی تائید و نصرت کے لئے ہر قیمتی و مقدور مال و جان کی عظیم قربانیاں پیش کی۔ اس لئے یہ بات بالکل فطری اور طبعی ہے کہ آپ ﷺ ان کے اس عظیم احسان کا شکریہ ادا کریں اور ان کی ان عظیم مساعی کی قدر کریں کیونکہ خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جو لوگوں کا شکر نہ ادا کرے وہ اللہ کا شکر نہیں ادا کر سکتا"

اس حدیث کو فرمان رسول کی حیثیت سے قبول کرنے سے عقلاً یا وہ کون سی چیز روک رہی ہے اور وہ کون سا عامل ہے جو ہمیں دوسری صدی کے نصف میں اس حدیث کے ظہور کو ماننے پر مجبور کر رہا ہے اور پھر آخر ان آیات کا کیا بنے گا جو انصار کی مدح سرائی کرتی ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔

سورۃ التوبہ: ۱۰۰ میں ہے: "وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ

سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن ...

سورۃ التوبہ ۱۱۷ میں ہے: "اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ... جنہوں نے بڑے تنگی کے وقت میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا"۔

سورۃ الحشر میں ہے: "اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں"۔

اور حقیقت میں اس حدیث میں انصار کی مدح میں ایک کلمہ بھی مدحیہ نہیں ہے بلکہ حدیث ان کے حق میں دعا استغفار پر مشتمل ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو صحابہ کرام کے حق مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے۔

سورۃ آل عمران ۱۵۹ میں ہے: "اے پیغمبر ﷺ یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک رکھو"۔

تو قرآن مجید انصار کی اہمیت اور ان کی مدح جن لفظوں میں بیان کرتا ہے اس سے کمتر درجے کے ہی الفاظ حدیث رقم ۱۰۷ میں انصار کی شان میں استعمال کئے گئے ہیں تو اگر یہ حدیث عباسی حکمران کے مؤید انصار کی شان میں دوسری صدی نصف میں گھڑی گئی تو ہمیں معلوم آخر یہ قرآنی آیات جو حدیث سے زیادہ مؤثر اور بلیغ اسلوب میں انصار کی مدح سرا کر رہی ہیں وہ کب گھڑی گئیں اور ان کا گھڑنے والا کون ہے؟۔

یہ ہے کبار مستشرقین کا نقد متون کا منہج تاریخی جس کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ منہج کس قدر کامیاب رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی علمی منہج نہیں ہے بلکہ خواہشات نفس کی عقل و منطق کو پرے رکھتے ہوئے پیروی ہے جسے مستشرقین نے دقیق علمی رنگ کا نام دیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اسے علمی منہج کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ یہ منہج اپنے اندرون میں علمی مناہج کے طور طریقے سے عاری ہے اور اس کا دار و مدار صرف نفسانی اغراض و اہواء کی تکمیل پر مشتمل ہے۔

بحث و نظر

چنگیزی افرنگ کے چیلنج قبول کیجئے!

مولانا محمد سالم قاسمی صاحب
مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند

دہلی میں جامعۃ الفلاح کی جانب سے منعقدہ سیمنار "مدارس اسلامیہ - خدمات - اور چیلنجز" کے فکرانگیز موضوع پر یہ مقالہ پیش کیا گیا تھا۔ افادہ کی غرض سے ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

خدمات مدارس ایک وسیع الذیل عنوان ہے، لیکن اس موضوع کی تفاصیل سے عوام و خواص مسلمین کی اکثریت بے خبر نہیں ہے اور خاص طور پر جب اس موضوع کو جہالت آمیز جھوٹ کے ساتھ میڈیا کا موضوع بنایا گیا ہے۔ اس وقت سے تو ارباب مدارس کی جانب سے اس جھوٹ کا پول ہر طرح کھول دیا گیا ہے کہ جھوٹ کو ذلت و رسوائی کی پناہ گاہ کے سوا کہیں پناہ نہیں مل پارہی ہے۔ پھر بھی خدمات مدارس کی طویل ترین داستان کی مختصر تعبیر یہی ہوسکتی ہے کہ:

"وطن عزیز ہندوستان میں اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر، وفا سرشت ملت اسلامیہ ہی بلا شرکت غیرے وہ واحد ملت ہے کہ جس نے کتاب اللہ کے عطا فرمودہ علم عظیم سے، سنت رسول اللہ سے ماخوذ رفعت فکر سے، اور محسن عالم کے انسانیت نواز مکارم اخلاق سے، اس ملک کو علم دوست اور معقولیت پسند عالم انسانی کی برادری میں غیر متنعد بنایا ہے"۔

اور جہاں تک عنوان اجتماع کے دوسرے جز "چیلنجز" کا تعلق ہے تو یہ اسلام کی وہ ابدی اور سرمدی صدائے حق ہے کہ جس کے برخلاف اولین چیلنج وہ ہے کہ جو ابلیس لعین نے حضور خداوندی میں!

"قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین (شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکا دوں گا) کے الفاظ میں معاندانہ جسارت کے ساتھ کیا تھا اور قیامت تک اہل حق و صدق کے بالمقابل یہ ہی معاندانہ چیلنج، اس کی معدوم نسل لعین کرتی رہے گی۔

باطل کا یہ چیلنج عہد ازل سے آغاز پذیر ہوکر، مذہبی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، علمی، فکری اور استدلالی روپ میں تا ابد باقی رہے گا اور اسی کے ساتھ حق و صداقت پر مبنی یہ اعلان ازلی!

قال فالحق والحق اقول لاملان جہنم منک و ممن تبعک منھم اجمعین۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ

سچ تو یہ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں کہ تجھ سے اور تمام تیرے ماننے والوں سے میں جہنم کو بھر دوں گا"۔

یعنی حق باطل دشمنی کے لئے ہمیشہ برقرار رہے گا اور حق و باطل کی یہ آویزش، حق کے ہدایت آفریں پہلوؤں کے اور باطل کی ضلالت کے مخفی گوشوں کے انکشاف کا ہمیشہ ذریعہ بنتی رہے گی اور نتیجہ سلیم فطرتیں حق و صداقت سے اور خبیث فطرتیں باطل و ناحق سے اپنی وابستگی کبھی ترک نہیں کریں گی۔ اسی ناقابل تبدیل ہمیشہ برقرار رہنے والے طبعی عمل کی وجہ سے، مربی عالم نے "اشد بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل" فرما کر اہل اسلام کو باطل کے بالمقابل ہمیشہ کمربستہ رہنے کے لئے دائمی آمادگی عطا فرمادی۔

اس لئے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ دین فطرت اسلام و اہل اسلام کو آج چیلنجوں کا سامنا ہے، یہ چیلنج تو اسلام علمی اور عملی عظمت و کاملیت پر روز اول سے شاہد عدل بنتے رہے ہیں۔ بلکہ قابل غور امر یہ ہے کہ آج کے چیلنجوں کا منبع و سرچشمہ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟

آج ملت اسلامیہ کی وقت کی نفسیات شناسی پر مبنی اسی فکری آزمائش میں کامیابی پر فتح و ظفر موقوف ہے۔ اور اسی ایمانی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے پر روشن مستقبل کی امید بر محل ہوسکے گی۔

اس مرحلے پر اس تاریخی تجربے کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اقتدار و قوت مادی کے زور پر، از راہ جہالت سامنے آنے والے چیلنجوں کو ماضی میں جس طرح وقت کی گردشوں نے ہی بے معنی بنا کر موت کے گھاٹ اتارا ہے، اسی طرح سراپا جہل چیلنج کرنے والے بھی، زمانے نے بطور خود ہی زندگی سے محروم کردیا ہے۔ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی، اپنے چیلنجوں کے ساتھ شرمناک ناکامیوں سے دوچار ہوکر، تاریخ کا قابل لعنت باب ہوچکے ہیں۔

لائق فکر صرف وہ چیلنج ہی ہوسکتے ہیں جن کو نام نہاد ہی سہی لیکن ان کی تخلیق و تعمیر علمی اور شعوری بنیادوں پر کی گئی ہو، ان کو علمی بنیادوں پر ہی تہ نشین کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے، کیونکہ یہ بھی حق و صداقت کی پاداش کا تحمل کبھی نہ کرپائے۔

غلبۂ حق اور مغلوبیت باطل اور دونوں کے درمیان دائمی کشمکش کی شرعی بنیاد، ارشاد نبوت کے مطابق یہ ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد حق تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام سے اپنے ید قدرت سے قیامت تک پیدا ہونے والی تمام اولاد آدم کو وجود بار خارجی بخشا جو جملہ انسانی خصوصیات سے متصف تھے۔ اور جملہ حجابات الوہیت ہٹا کر ان کو اپنے جمال ذات کے دیدار سے مشرف فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے براہ راست خطاب فرما کر استفسار فرمایا کہ الست بربکم!

بے حجاب رؤیت جمال نے انسان کے اندر دھڑکتے دلوں کو سوز عشق بخشا، اور سوال ربوبیت کے ذریعہ پھڑکتے دماغوں کو کیفیت علم سے آشنائی عطا فرمائی پھر یہی نہیں بلکہ علم و عشق کے درمیان یہ اٹوٹ ارتباط بھی، محسن انسانیت، مشیت ربانی نے قائم کر دیا اور تدبیر پر دائرہ امور کے صحت و سقم مدار علم و عشق دونوں پر رکھ دیا، گویا علم و عشق دونوں سے برآمد ہونے والے نتائج ہی کو کامیابی کی ضمانت قرار دے دیا گیا ہے، اس پر یہ کہ علم بے عشق سے شرک کی تخلیق ہوتی ہے اور عشق بے علم کے بطن سے بدعت جنم لیتی ہے اور شرک و بدعت دونوں ہی راہیں فلاح دارین سے محرومی کی راہیں ہیں۔

اس توضیح مشروح کے بعد یہ حقیقت کسی دلیل کی ضرورت مند نہیں رہتی کہ باطل بصورت چیلنج جب بھی حق کے مقابل آئے گا تو وہ ہمیشہ علم بے عشق ہی کی راہ آئے گا جو انسانی دماغ کے لئے توفی الجملہ کافی ہو سکتا ہے۔ لیکن محروم عشق ہونے کی وجہ سے قلوب انسانی کے لئے شافی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بخلاف از حق جب بھی ظہور پزیر ہوگا، تو وہ علم و عشق دونوں سے بہرہ مند ہوگا لہذا وہ قلب و دماغ انسانی دونوں کو دولت اطمینان سے مالا مال کر کے باطل کی تمام قوتوں کو سلب کرنے کا وسیلہ دے کر سامنے آئے گا۔

آج ہمارا فرض ہے کہ دور قدیم کے باطل کے مختلف الوان سے صرف نظر کر کے آج دنیا پر چھائی ہوئی مغرب کی بے خدا تمدن بے حیا تہذیب، اور اخلاقیات سے یکسر بے علاقہ سائنسی ترقیات، اقتدار وقت کی مکمل پشت پناہی کے ساتھ، اسلام و حاملین اسلام پر زبردست طاقتوں سے حملہ آور ہیں، ان طاقتور حملوں سے مایوسی ان افراد یا طبقات پر پیدا ہوگئی ہے کہ جو اسلام کی علم و عشق آمیز قوت سے کما حقہ واقف نہیں ہیں۔ لیکن اسلام کے ہر دو حقیقی اجزائے ترکیبی سے واقفین کے نزدیک ماضی کے بے طاقت و قوت باطل کا جو درجہ تھا آج کے زبردست مادی طاقت و قوت والے باطل کا بھی وہی درجہ ہے۔ اس لیے علم و عشق کی مرکب طاقت کے مقابلے کی قوت نہ ماضی کے بے طاقت باطل میں تھی اور نہ آج کے عظیم قوت و طاقت کے حامل باطل میں ہے۔

قدیم دشمنان اسلام جو مادی طاقتوں سے لیس ہو کر جدید کہلانے لگے ہیں ان کی نام بردہ تقسیم یہ ہے کہ!

۱: عیسائیت یا صلیبیت: یہ دشمن اسلام، اسلام کی معنوی مرکب قوتوں سے لرزہ براندام ہے جس نے حجت و برہان کے میدانوں میں شکست فاش کھا کر سیاسی عیاریوں کے ذریعہ اب عالم اسلام پر غاصبانہ غلبہ و قبضہ کو ہدف بنا لیا ہے۔ اور اسی طاقت و قوت کے بل بوتے پر عالم عرب میں عیسائیت کو پھیلانے کی زبردست جد و جہد میں استعماریت اور استشراقیت کو بھی اسلام کا زبردست حریف بنا کر استعمال کیا جا رہا ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ ایشیاء میں مغربی فکر سے مغلوبین، یعنی اپنے خود ساختہ نبی کے متبعین،

قادیانیوں اور فرقہ ضالہ بہائی طبقہ کو زیادہ سے زیادہ قوتیں دے کر مسلمانوں میں عالمی سطح پر زبردست دینی فتنے کی آبیاری کی جا رہی ہے۔

اسلام کے برخلاف فتنہ انگیزی یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ عیسائیت کی اسلام دشمنی آگے بڑھ کر لوٹ مار، قتل و غارت گری، اور دہشت گردی کی جاہلانہ اور بدترین جارحانہ فتنوں کو سراسر جھوٹ اور مکمل بے حیائی کے ذریعہ اسلام کے سر منڈھنا اور شرافت و انسانیت سے بے نصیب اپنی ناپاک تہذیب کے فکری معاشرتی مالی اور سیاسی مفاسد کو اسلام دشمنی کے تحت عالمی سطح پر اسلام کی طرف منسوب کر کے پوری دنیا کے غیر مسلموں کو اسلام دشمن بنانا عیسائیت کا وہ واحد انسانیت سوز مقصد ہے جس پر اسکی ہر قسم کی قوتیں لگی ہوئی ہیں۔ اسلام کے خلاف یہ وہ انٹرنیشنل چیلنج ہے کہ جس کے بطن سے پیدا شدہ بے شمار چیلنج مسلم کشی، مسلم حقوق انسانی کی کھلم کھلا اتلاف، مسلمانوں کے لیے ہر راہ ترقی کی ناکہ بندی اور اقتدار وقت کا انتہائی پست فکر کے ساتھ قدم قدم پر مسلمانوں کے لیے رکاوٹیں پیدا کرنا آج ایشیائی ملکوں کا طرۂ امتیاز بنا ہوا ہے۔

۲: یہودیت: اس صاحب کتاب فرقہ کی اسلام دشمنی روز ازل سے حسد پر مبنی اور بنا حسد یہ کہ عہد سابق میں نبوت کا منصب عظیم بنی اسرائیل کو حاصل تھا لیکن مشیت ربانی نے ختم نبوت کے منصب عظیم اور دائمی اعزاز نبوت سے بنی اسماعیل کو نوازا اور خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ کو اللہ نے بنی اسماعیل میں پیدا فرمایا۔ مشیت ربانی پر یہ بے اعتمادی ہی یہود کے غیر معقول حسد کی حقیقی بنیاد ہے۔ اس حسد نے انکی فطری فساد انگیزی کا ہدف اسلام اور اہل اسلام کو بنا دیا۔ اسی آتش حسد میں جلنے کے نتیجے میں اس قوم میں اسلام دشمنی کی بنیاد پر توریت میں خود ساختہ تبدیلیاں کر کے تمام خدائی ہدایات اور تعلیمات حقہ سے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ اور پھر بغض و عناد کی اس آگ کو اور بھڑکانے اور بڑھانے کے لیے دیگر غیر یہودی اقوام کو اہل اسلام پر انسانیت کش مظالم ڈھانے کے وہ طریقے تالمود میں تحریر کیے گئے ہیں کہ کمینہ سے کمینہ انسان بھی اسے پڑھ کر لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

اسلام و مسلمانوں کے خلاف یہ دوسرا انتہائی شدید انٹرنیشنل چیلنج ہے جس نے اقوام عالم کی جانب سے بے شمار چیلنج تخلیق کر کے ملت اسلامیہ کے برخلاف لاتعداد فتنے کھڑے کر دیے۔

۳: ہندو مذہب اور بدھ مذہب: دونوں کے اصول و احکام اسلام کے منافی ہونے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف کبھی عداوت و دشمنی تک نہیں پہنچے تھے۔ ان کو بھی یہودی اور عیسائی عیاری نے اسلام اور مسلم دشمنی کی جانب موڑنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ آج ہندو مسلم کے درمیان فرقہ واریت کی بنیاد پر مسلم کش فسادات اور انسانی اور عقائدی حقوق کا اتلاف انہیں عیسائی اور یہودی چیلنجوں کی سازشوں کے تحت بروئے کار آ رہا ہے۔

یہ وحشت ناک چیلنج بذات خود اپنے استیصال کا ضرورت مند ہے۔ ضرورت ہے کہ اس

چیلنج کی اہمیت کو کما حقہ محسوس کر کے اس کے سد باب کی جانب عنان توجہ کو موڑنے کی کوشش کی جائے۔ یہ وقت کا عائد کردہ وہ ملی فریضہ ہے کہ اس بارے میں لمحوں کی خطا پر صدیوں کی سزا مرتب ہونے کے امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۴: اسی پر بس نہیں بلکہ یہودیت نے عیسائیت سے گٹھ جوڑ کر کے اسلام اور مسلم دشمنی کو عام سے عام تر کرنے کے کچھ علوم، کمیونزم، سوشلزم اور ڈکٹیٹر شپ کے سیاسی نظریات کے مفاہیم و مرادات کو اپنی اغراض فاسدہ میں ڈھال کر آگے باہمی زبردست اختلافات کے باوجود اسلام اور مسلم دشمنی کے ظالمانہ اور جارحانہ مقاصد پر منطبق کرنے میں بے تحاشہ دولت و قوت خرچ کرنے میں نہ کمی کی ہے اور نہ آج کر رہے ہیں۔

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ آج عصر رواں میں اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف چیلنجوں کے یہ انبار نئے تو نہیں ہیں البتہ فرق اتنا ہے کہ ماضی میں یہ چیلنج انفرادیت کے ساتھ وقتاً فوقتاً سامنا کیا کرتے تھے۔ اور آج انٹرنیشنل میڈیائی ٹیلیسٹی نے ان سب کو یکجائی طور پر ایک دم قائلین لا الٰہ پر مسلط کر دیا ہے۔

ان چیلنجوں کی فکری وحدت، اجتماعی قوت اور عالمی اذیت اس کی متقاضی ہے کہ ملیہ اسلامیہ کے اہل فکر و نظر ملت کو ہر اس ہاتھی سے محفوظ رکھ کر ان کا بصیرت مندانہ جائزہ لیں۔ اور تقسیم کار کے اصول پر ان کی شکستگی کو مناسب افراد اور طبقات کے حوالے کیا جائے۔ اور ساتھ ہی اپنی دشمنان اسلام کے طرز و طریق کے مطابق خود ان کے درمیان جو مذہبی، تہذیبی، فکری اور سیاسی خلیجیں حائل ہیں ان کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی جوابی جد و جہد میں کمی نہ کی جائے۔ یعنی صرف دفاع پر بس نہ کر کے اقدام کو اختیار کیا جائے اور نئی نسل کو اسی فکری اقدامی عمل کے لیے تعلیماً و تربیتاً تیار کیا جائے۔ اور امید ہے کہ خود اندرون ملت ایسے افراد و طبقات کو جو دشمن تنظیموں سے لاعلمی یا لالچ یا خوف کی بنیاد پر وابستہ ہیں ان پر مطلع رہ کر ان کی مخالفین سے وابستگی کے اسباب بھی اس طرز عمل سے یا ختم ہو جائیں گے یا کمزور ہو جائیں گے۔

نیز اعدا اسلام کی جانب سے وحدت علم کی بنیاد پر اتحاد کو مغرب سے درآمد شدہ تصور وطنیت، قبائلیت اور لسانیت وغیرہ کے عنوان پر ختم کرنے کے پلانوں کو بھی اسی ذریعہ سے ناکامی سے دو چار کیا جانا ممکن ہے۔

ضرورت ہے کہ ہمارا پہلا قدم اگر پیش کردہ عالمی چیلنجوں کے جائزے کے لیے بتوفیق اٹھ گیا ہے تو اسے صرف یہیں تک محدود نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ عملی اقدامات کی ترجیحات کے لیے بصیرت مند افراد پر مشتمل کمیٹیوں کی تشکیل کی جانی مناسب ہوگی۔ اس کے بعد اہل قلم اور اہل زبان کو مدبرانہ رہنمائی کے ساتھ عملی خدمات سپرد کی جانی چاہئیں۔ علامہ اقبال نے اس تفصیلی تجزیے کو شعری تعبیر میں یہ فرما کر ناقابل فراموش بنا دیا ہے کہ:

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

اصولی مباحث

فن تخریج اور اس کے قواعد

(آخری قسط) ڈاکٹر محمود الطحان

جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ

تخریج حدیث کا پانچواں طریقہ:

سند و متن کے احوال و کوائف پر غور و فکر کے ذریعہ تخریج۔

اس طریقہ کا مفہوم: اس طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی سند اور اس کے متن کی صفات اور احوال کا گہرائی سے جائزہ لے کر اس صفت کے ذریعہ اس کے مخرج کی ان مصادر میں تحقیق کی جائے جن میں اسی مخصوص صفت کو سامنے رکھ کر احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

متن کی مخصوص صفات: جب متن حدیث پر وضع کی علامات ظاہر ہوں جیسے اس کے الفاظ رکیک ہوں یا معنی خراب ہو یا وہ حدیث صریح کے مخالف ہو تو اس کے مخرج کی معرفت کا آسان ترین طریقہ، موضوعات پر تالیف شدہ کتابوں کی جانب رجوع کرنا ہے۔ موضوع احادیث پر لکھی گئی بعض کتابیں حروف معجم کے لحاظ سے مرتب ہیں تو بعض فقہی ابواب کے لحاظ سے مدون ہیں۔

حروف معجم کے لحاظ سے مرتب کتاب المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ہے یہ کتاب ''الموضوعات الصغریٰ'' کے نام سے مشہور ہے اس کے مؤلف شیخ علی القاری الہروی (۱۰۱۴ھ) ہیں۔

فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب کتابوں میں ''تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاحادیث الشنیعۃ الموضوعۃ'' مشہور ہے اس کے مؤلف ابو الحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی (۹۶۳ھ)

اگر حدیث احادیث قدسیہ میں سے ہو تو اس کا قریب ترین تخریج مصدر وہ کتابیں ہوں گی جن میں صرف احادیث قدسیہ کو یکجا کیا گیا ہے کیونکہ یہ کتابیں حدیثوں کے مخارج بھی بیان کرتی ہیں۔

احادیث قدسیہ پر تالیف شدہ کتابیں:

(۱) مشکاۃ الانوار فی ما روی عن اللہ سبحانہ وتعالیٰ من الاخبار۔ محی الدین محمد بن علی بن عربی الحاتمی الاندلسی (۶۳۸ھ) یہ کتاب ۱۰۱ احادیث پر ان کی سندوں سمیت مشتمل ہے۔

(۲) الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیۃ۔ شیخ عبدالرؤف المناوی (۱۰۳۱ھ) یہ کتاب ''۲۷۲'' احادیث پر بلا سندوں کے مشتمل ہے۔ احادیث حروف معجم کے لحاظ سے مرتب ہیں۔

سند کی مخصوص صفات: سند جب کسی لطیف نکتہ پر مشتمل ہو جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے روایت کرے تو ایسی احادیث کی معرفت کا قریب ترین مصدر وہ کتابیں ہوں گی جو بیٹوں سے باپوں کی روایات کے بیان پر مشتمل ہیں۔ جیسے ''روایۃ الآباء عن الابناء'' ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (۴۶۳ھ)

(۲) جب سند مسلسل ہو تو ایسی کتابوں کی جانب رجوع کیا جائے جو مسلسل احادیث کے ذکر پر مشتمل ہوں جیسے ''المسلسلات الکبریٰ'' علامہ سیوطی یہ کتاب ''۸۵'' مسلسل احادیث پر مشتمل ہے۔ اور جیسے ''المناهل السلسلۃ فی الاحادیث المسلسلۃ محمد بن عبدالباقی الأیوبی (۱۳۶۴ھ) یہ کتاب ۲۱۲/احادیث پر مشتمل ہے۔

(۳) حدیث مرسل ہو تو ایسی صورت میں ان کتابوں سے مدد لی جائے گی جن میں ''مراسیل'' کو یکجا کیا گیا ہے جیسے ''المراسیل'' ابو داود السجستانی یہ فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب ہے۔ اور جیسے کتاب المراسیل ابن ابی حاتم عبدالرحمن بن محمد الحنظلی الرازی (۳۲۷ھ)

یا سند میں کوئی ضعیف راوی ہو تو اس حدیث کو کتب الضعفاء میں تلاش کیا جائے جیسے علامہ ذہبی کی ''میزان الاعتدال''۔

۳ سند اور متن دونوں کی مخصوص صفات:

بعض ایسی صفات ہیں جو کبھی سند میں اور کبھی متن میں پائی جاتی ہیں۔ جیسے علت اور ابہام۔ وہ احادیث جن میں مذکورہ بالا نوعیت کی کوئی چیز پائی جاتی ہے ان احادیث کا قریب ترین مخرج وہ کتابیں ہیں جنہیں علماء نے ان امور پر بحث کرنے کے لئے خاص کیا ہے جیسے:۔

۱۔ علل الحدیث: ابن ابی حاتم الرازی۔ یہ کتاب ابواب کے لحاظ سے مرتب ہے۔ ہر باب کے تحت معلول احادیث ذکر کرتے ہیں اور بڑے عمدہ انداز میں ان کی علتوں کی توضیح کرتے ہیں۔

۲۔ الاسماء المبہمۃ فی الانباء المحکمۃ: خطیب البغدادی۔ اس میں ان احادیث کو یکجا کیا گیا ہے جن کے متنوں میں مبہم نام وارد ہیں اور پھر ان مبہم ناموں کی توضیح دوسرے طرق سے مروی ان دیگر روایات کے ذریعے کی گئی ہے جن میں وہ مبہم نام صراحۃ مذکور ہے۔

یہ کتاب مبہم ناموں کے لحاظ سے حروف پر مرتب ہے۔ اور اس سے کسی مبہم نام کا نکالنا انتہائی دشوار ہے کیونکہ اس مبہم نام سے واقف شخص کو اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں اور اس سے جاہل شخص اس کے مقام وجگہ ہی سے ناواقف ہوگا۔

۳۔ المستفاد من مبہمات المتن والاسناد: ابوزرعۃ احمد بن عبدالرحیم العراقی (۸۲۶ھ) یہ کتاب فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب ہے۔ اس باب میں یہ سب سے جامع اور نفع بخش کتاب ہے۔

تخریج کے یہ پانچ مشہور طریقے ہیں جن کے ذریعے حدیث کی تخریج اور اس کے مصادر کی معرفت ممکن ہے۔ ان طریقوں کا پتہ بحث وتحقیق اور تتبع واستقراء کے نتیجہ میں چلا ہے۔ مجھ سے پہلے اس موضوع پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا ہے کیونکہ ابتدائی صدیوں میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اب چونکہ عام طلبہ اور ریسرچ اسکالروں کے لئے احادیث کے مصادر کی معرفت کافی مشکل ہوگئی تھی۔ اس لئے میں نے اس کتاب کی تالیف کی تاکہ تخریج حدیث کا عمل عام طلبہ کے لئے آسان ہوجائے نیز فن تخریج سے ہر خاص وعام واقف ہوجائے تاکہ یہ علم زندہ رہے فنا نہ ہوجائے کیونکہ علم عمر بن عبدالعزیز کے بقول اسی وقت فنا ہوتا ہے جب وہ مخفی ہوجاتا ہے۔

شبہات حول السنۃ

امام ابن شہاب الزھریؒ اور گولڈ زیہر

(آخری قسط)

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

امام زھری پر گولڈ زیہر نے آخری اتہام یہ لگایا ہے کہ ابراہیم بن الولید الاموی آپ کے پاس احادیث کا ایک صحیفہ لے کر آئے اور آپ سے ان احادیث کی روایت کرنے کی اجازت طلب کی تو امام زہری نے بلا کسی تردد کے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا "میرے علاوہ کون ہے جو تمہیں اس کی اجازت دے سکتا ہے؟" اور اس طرح ابراہیم نے اس صحیفہ کی مرویات کو آپ کی جانب منسوب کر کے روایت کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔

اس واقعہ میں درج ذیل تین فحش غلطیوں کا زیہر نے ارتکاب کیا ہے۔

۱: ابن عساکر نے ابراہیم کی زھری سے سماعت کی تصریح کی ہے۔ ابراہیم نے اپنے شیخ کے سامنے اس صحیفہ کو رکھا ہوگا جسے آپ نے شیخ سے سنا تھا۔ اسے محدثین کی اصطلاح میں "عرض المناولہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ مناولہ تحمل حدیث کے مشہور ترین طریقوں میں سے ایک ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ طالب علم شیخ سے سنی ہوئی اپنی مرویات کو صحیفہ کی شکل میں لائے اور شیخ اس کو دیکھنے کے بعد اپنے واسطے سے روایت کرنے کی اجازت دے دیں۔ علامہ حاکم کہتے ہیں "مناولہ بیشتر متقدمین کے یہاں سماع کی ایک شکل ہے۔ امام مالک، زھری، ربیعہ، یحییٰ بن سعید، مجاہد اور سفیان الثوری کی بھی رائے ہے (مقدمہ ابن الصلاح: ۹، اختصار علوم الحدیث: ۱۳۱)۔

ایوب کہتے ہیں ہم لوگ علم حدیث کو زھری کے سامنے پیش کرتے تھے۔

عبیداللہ بن عمر کہتے ہیں: میں زھری کے پاس ایک کتاب لے کر آیا انھوں نے اس پر غور کیا اور پھر روایت کی اجازت دے دی۔ امام زہری کے بیشتر شاگرد اپنی مرویات و مسموعات کے صحیفہ کو آپ کی خدمت میں لے آتے اور آپ انہیں دیکھنے کے بعد روایت کی اجازت دے دیتے۔ ابراہیم بن الولید کا مذکورہ بالا عمل اگر روایت صحیح ہے تو اسی قبیل کی چیز رہی ہوگی اس کی تائید ابن

عساکر کی روایت میں آئے ہوئے لفظ "عرض" سے بھی ہوتی ہے۔ "عرض" کے معنی، استاذ کو کتاب دینا تاکہ وہ اس پر غور کر کے اس کی روایت کی اجازت عطا کر دے۔

یہ تصور کہ ابراہیم نے احادیث کو خود ہی مدون کر کے آپ سے ان کی روایت کی اجازت طلب کی تھی مستحیل ہے کیونکہ علامہ زھری جیسے شخص سے یہ بات بعید تر ہے کہ وہ ایک مکذوب صحیفہ کی روایت کی اجازت عطا کر دیں گے، درانحالیکہ وہ پوری امت کے درمیان مشہور تھے اور ظاہر ہے یہ شہرت انھیں اپنی صداقت، امانت و دیانت ہی کی بناء پر حاصل ہوئی تھی۔

علامہ زہری کا یہ قول "من يستطيع أن يجيزك بها" "کون تمہیں اس کی روایت کرنے کی اجازت دینے کی استطاعت رکھتا ہے۔ ابن عساکر کی روایت کے مطابق اصل الفاظ یوں ہیں "ومن يجيزك بها غيري" "میرے علاوہ کون تمہیں اس کی روایت کی اجازت دے گا۔ ظاہر ہے یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ زھری کے علاوہ کوئی دوسرا امام زھری کے شاگردوں کو زھری سے سنی ہوئی مسموعات کو بیان کرنے کی اجازت کیوں کر دے سکتا ہے نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ آپ علی الاطلاق اپنے عہد میں سنت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام مسلم کے اعتراف کے مطابق ۹۰ مرویات ایسی ہیں جو زہری کے علاوہ کسی اور سے مروی نہیں۔ چنانچہ اس پہلو کے لحاظ سے آپ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے علاوہ ان احادیث کو کون جانتا ہے جو تمہیں ان کی روایت کی اجازت دے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی مسلمان میرے علاوہ تمہارے لئے ان احادیث کو گھڑنے کی اجازت دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

۳: سنت کی مشہور کتابوں میں ابراہیم کی ایک حدیث بھی مروی نہیں، اور نہ ہی کتب جرح و تعدیل میں کہیں آپ کا ذکر ہے تو آخر یہ حدیثیں کہاں چلی گئیں، جنہیں ابراہیم نے زھری کی اجازت سے لوگوں کے درمیان پھیلا دیا تھا اور کتب سنت میں وہ کس باب میں مروی ہیں ان کے رواۃ کون کون لوگ ہیں اور آخر یہ صحیفہ کیسے غائب ہو گیا کہ کتب تاریخ میں آج اس کا کہیں سراغ تک نہیں مل پا رہا ہے۔

مذاہب عالم

توریت کا تعارف

(۷)

انیس احمد مدنی

انبیاء کرام اور توریت:

توریت میں کبار انبیاء کی جانب کبائر کی نسبت کی گئی ہے جو اس کے محرف ہونے اور یہودیوں کے شدید اخلاقی انحطاط و زوال کی واضح دلیل ہے چند شواہد ملاحظہ ہوں۔

۱: نوح علیہ السلام پر شراب پینے کا الزام:

کتاب پیدائش میں ہے! "اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا" (باب ۹/۲۰ تا ۲۲)

قرآن مجید نے اس بہتان اور افتراء پردازی سے یوں پردہ اٹھایا ہے۔ "ذریۃ من حملنا مع نوح انہ کان عبدا شکورا"۔

۲: لوط علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں پر اپنے باپ کے ساتھ زنا کا اتہام:

"اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگیں تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ تو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ (اسی طرح دوسری بیٹی کے بھی دوسرے دن یہی عمل کرنے کا تذکرہ ہے)۔

اور آخر میں ہے، "سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں"۔ (باب ۱۹/۳۰ تا ۳۸)

قرآن مجید نے اس بہتان تراشی سے آپ کو یوں نکالا ہے۔ "فما کان جواب قومہ الا أن قالوا أخرجوا آل لوط من قریتکم أنہم أناس یتطہرون" (سورۃ الاعراف:۸۲)۔

(جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو لواطت کے قابل نفرت فعل پر سرزنش کی) تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے نکال باہر کرو یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔

موجودہ بائبل کے جمع کرنے والوں کی شرمناک جسارت پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا ہے کہ

ایسے پاکباز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا ایسی لغت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۳: ھارون علیہ السلام پر زیور کا بت بنوا کر پجوانے کی نسبت:

کتاب خروج میں ہے: "ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لاؤ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی، تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا ہے یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہو گی"۔ (باب ۳۲/۳۔۶)

یہ وہ ہارون علیہ السلام ہیں جنہوں نے بالمشافہ خدا کو دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا اور ان کے لئے خدا تعالیٰ کے گھر کی کہانت مقرر ہوئی تھی اس پر یہ بت پرستی توبہ توبہ (مقدمہ تفسیر حقانی:۱۸۳)

قرآن مجید نے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے اس اتہام سے ہارون علیہ السلام کو ان لفظوں میں بری کیا ہے۔

"ولقد قال لہم ھارون من قبل یاقوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمن فاتبعونی وأطیعوا أمری"۔ (سورہ طہ:۹۰)

ہارون موسیٰ کے آنے سے پہلے ہی ان سے کہہ چکا تھا کہ لوگوں تم اس کی وجہ سے (سامری) فتنے میں پڑ گئے ہو۔ تمہارا رب تو رحمٰن ہے پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ!

"بہت ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ غلط روایت اس وجہ سے مشہور ہوئی ہو کہ سامری کا نام بھی ہارون ہی ہو اور بعد کے لوگوں نے اس ہارون کو ہارون نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہو۔ لیکن آج عیسائی مشنریوں اور مغربی مستشرقوں کو اصرار ہے کہ قرآن یہاں بھی ضرور غلطی پر ہے۔ بچھڑے کو خدا ان کے مقدس نبی ہی نے بنایا تھا اور ان کے دامن سے اس داغ کو صاف کر کے قرآن نے ایک احسان نہیں بلکہ الٹا قصور کیا ہے یہ ہے ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا حال اور ان کو نظر نہیں آتا کہ اسی باب میں چند سطر آگے چل کر خود بائبل اپنی غلط بیانی کا راز کس طرح فاش کر رہی ہے۔ اسی باب کی آخری دس آیتوں میں بائبل یہ بیان کرتی ہے حضرت موسیٰ نے اس کے

بعد بنی لاوی کو جمع کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ جن لوگوں نے شرک کا یہ گناہ عظیم کیا ہے انہیں قتل کیا جائے چنانچہ اس روز تین ہزار آدمی قتل کیے گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت ہارون کیوں چھوڑ دیئے گئے اگر وہی اس جرم کے بانی مبانی تھے تو انہیں اس قتل عام سے کس طرح معاف کیا جاسکتا تھا۔ آگے چل کر بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کے پاس جا کر عرض کیا کہ رب بنی اسرائیل کا گناہ معاف کردے ورنہ میرا نام اپنی کتاب میں سے مٹا دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ جس نے میرا گناہ کیا ہے میں اسی کا نام اپنی کتاب میں سے مٹاؤں گا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا نام نہ مٹایا گیا بلکہ اس کے برعکس ان کو ان کی اولاد کو بنی اسرائیل میں بزرگ ترین منصب یعنی بنی لاوی کی سرداری اور مقدس کی کہانت سے سرفراز کیا گیا۔ (گنتی باب ۱۸ آیت ۱-۷) کیا بائبل کی یہ اندرونی شہادت خود اس کے اپنے سابق بیان کی تردید اور قرآن کے بیان کی تصدیق نہیں کر رہی ہے۔ (تلخیص تفہیم القرآن: ۵۰۵)

۵: حضرت یعقوب علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کا الزام:

حضرت یعقوب علیہ السلام بکری کے بچوں کی کھال ہاتھوں پر لپیٹ کر اپنے باپ اسحاق کو دھوکا دینے کو اپنا نام عیسو بتلایا تاکہ ان کے والد اسے عیسو سمجھ کر برکت کی دعا دیں۔

(کتاب پیدائش باب ۲۷/۱۸تا۲۹)

۶: یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں پر لوٹ مار کا الزام۔

کتاب پیدائش کے باب نمبر ۳۴ میں مذکور ہے کہ حمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی دینہ سے زنا کیا اور یعقوب کے بیٹوں نے اس سے یہ مکر کیا کہ تو اور تیری تمام قوم اگر ختنہ کرے تو دینہ کی شادی تجھ سے کردیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان نبی زادوں نے ایسا موقع پا کر اس کو اور اس کی تمام بے گناہ قوم کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا اور ان کی بیویوں اور بچوں کو غلام بنایا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع کرنا تو درکنار اس نالائق حرکت پر اپنی ناراضگی بھی ظاہر نہ کی۔

قرآن مجید میں آل یعقوب سے چوری کے اس الزام کی یوں نفی کی گئی ہے۔

قالوا تاللہ لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض وما کنا سارقین۔ (سورۃ یوسف ۷۳)

انہوں (یعقوب کے بیٹوں) نے کہا خدا کی قسم تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں

فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔

یعنی مصر میں ہمارا چال چلن عام طور پر معلوم ہے کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہم نے یہاں کبھی شرارت کی، نہ ہم شرارتوں کے لئے یہاں آئے اور نہ چوروں کے خاندان سے ہیں۔

۷: حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی جھوٹی تہمت۔

صموئیل میں ہے! "اور شام کے وقت داؤد (علیہ السلام) اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا وہ الیعام کی بیٹی بت سبع ہے جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔

(سموئیل ۲ باب ۱۱ آیت ۲-۵)۔

اور آگے یہ تذکرہ ہے کہ پھر داؤد علیہ السلام نے اس کے خاوند کو ایک مکر و تدبیر کر کے مروا ڈالا جس پر ناتن نبی کی معرفت داؤد علیہ السلام پر بڑی زجر و توبیخ ہوئی۔

قرآن مجید کے بیان سے جو واقعہ سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اوریاہ سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ خواہش غالباً اس بناء پر کی تھی کہ انہیں اس خاتون کی خوبیوں کا کسی ذریعہ سے علم ہو گیا تھا اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایسی لائق عورت ایک معمولی افسر کی بیوی ہونے کے بجائے ملک کی ملکہ ہونی چاہیے پھر اس خواہش کے اظہار میں کوئی قباحت انہوں نے اس لئے محسوس نہیں کی کہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی لیکن چونکہ یہ خواہش ایک عام آدمی کی طرف سے نہیں بلکہ ایک جلیل القدر فرمانبردار اور ایک زبردست دینی عظمت رکھنے والی شخصیت کی طرف سے رعایا کے ایک فرد کے سامنے ظاہر کی گئی تھی اس لئے وہ شخص کسی ظاہری جبر کے بغیر بھی اپنے آپ کو اسے قبول کرنے پر مجبور پا رہا تھا اس موقعہ پر قبل اس کے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی فرمائش کی تعمیل کرتا قوم کے دو نیک آدمی اچانک حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے اور انہوں نے ایک فرضی مقدمے کی صورت میں یہ معاملہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام ابتداء میں تو یہ سمجھے کہ یہ واقعی کوئی مقدمہ ہے چنانچہ انہوں نے اسے سن کر اپنا فیصلہ سنا دیا لیکن زبان سے فیصلہ کے الفاظ نکلتے ہی ان کے ضمیر نے تنبیہ کی کہ یہ تمثیل پوری طرح ان کے اور اس شخص کے معاملہ پر چسپاں ہوتی ہے اور جس

فعل کو وہ ظلم قرار دے رہے ہیں اس کا صدور خود ان سے اس شخص کے معاملہ میں ہو رہا ہے یہ احساس دل میں پیدا ہوتے ہی وہ سجدہ میں گر گئے اور توبہ کی اور اپنے اس فعل سے رجوع فرمالیا

(تلخیص تفہیم القرآن: ۷۰۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام پر مشرک عورتوں سے شادی کرنے کی جھوٹی تہمت:

کتاب اول سلاطین کے ۱۱ باب میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود سخت ممانعت کے موآبی اور عمونی وغیرہ بت پرست عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہش نفسانی کو یہ طغیانی ہوئی کہ سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی اور پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل اور تعمیر بت خانوں میں مصروف اور شامل ہو گئے اور آخر عمر ایمان کو بھی سلام کر گئے۔ (سلاطین ۱۱/۱۔۱۱)

یہ وہ سلیمان علیہ السلام ہیں کہ جن کی تصنیفات امثال وغزل الغزلات اہل کتاب میں الہامی مانی جاتی ہیں اور جن کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "دیکھو میں نے عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا اور تیرے بعد تجھ سا برپا نہ ہوگا" (سلاطین اول باب ۳/۹)

قرآن مجید نے آپ کو زن مریدی، عیش پرستی اور شرک و بت پرستی کے ان گھناونے الزامات سے بچایا ہے۔

انبیاء کرام کی جانب منسوب ان گھناونے واقعات سے درج ذیل چیزیں بھی کھل کر سامنے آتی ہیں۔

۱: توریت کا محرف ہونا۔

۲: قرآن مجید کا بنی اسرائیل پر یہ احسان عظیم کہ اس نے ان کے اکابر کا دامن خود ان کی پھینکی ہوئی گندگیوں سے صاف کیا اور یہ بنی اسرائیل کتنے احسان فراموش ہیں کہ اس پر بھی یہ قرآن اور اس کے لانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔

۳: مذکورہ بالا تفصیلات سے مستشرقین کے اس اعتراض کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء کے قصے توریت اور تالمود سے لے لئے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ قرآن نے ان قصوں کی اصلاح کی ہے۔ ان میں در آئی تحریفات کا پردہ چاک کر کے انبیاء کرام کے اصل واقعات دنیا کو بتلائے ہیں۔

توریت اور قرآن کے مشترک امور

عقائد

توحید	
قرآن مجید	**توریت**
تمہارا خدا ایک ہی ہے جو بڑا بخشنے والا نہایت ہی مہربان اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (سورۃ البقرہ/۱۹)	خداوند تو خدا ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ پس آج کے دن جان اور اپنے دل میں غور کرو کہ خداوند ہی خدا ہے جو اوپر آسمان میں ہے اور نیچے زمین میں ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ (استثنا ۴ باب ۱۶/۳۵) ن اے اسرائیل زداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے (استثنا ۶/۴)
خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے۔	
اللہ خالق کل شیئی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔	میں خداوند سب کا خالق ہوں۔ (اصعیاء باب ۴۴/۲۴)
وہ خدا صبح کو روشن کرنے والا۔ اس نے رات کو تمہارے آرام کے لئے بنایا ہے۔	میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ (یسعیاہ ۴۵/۷)
وہ خدا آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا۔ (انعام/۱۳)۔	میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے اور زمین کو بچھانے والا ہوں۔ کون میرا شریک ہے (یسعیاہ ۴۵/۲۵)

اللہ ہر چیز پر قادر ہے	
انك على كل شيئ قدير۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران/۲۶)	میں خدائے قادر ہوں (استثنا ۱/۱۷)
خدا رحیم اور مہربان ہے۔	
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔	خداوند خدا رحیم اور مہربان اور قہر میں دھیما اور شفقت و وفا میں غنی، ہزاروں پر فضل کرنے والا" خروج ۳۴/۷۔

خدا غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرمانے والا ہے۔	
ھوالغفور الرحیم۔ وہ مغفرت فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ غافر الذنب وقابل التوب۔ (سورۃ المومن ر ۳) گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔	گناہ تقصیر اور خطا کا بخشنے والا۔ خروج ۸/۳۴۔
خدا قدوس ہے۔	
ھواللہ الذی لا الہ الاھوالملک۔ القدوس۔ (الحشر: ۲۳) وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہ یکسر پاک	چاہیے کہ تم اپنے تئیں مقدس کرو تاکہ مقدس ہو، اس لئے کہ میں قدوس ہوں (احبار ۴۴/۱۱)
خدا بزرگ و برتر و قادر ہے۔	
"الکبیر المتعال" (رعد: ۹) بہت ہی بڑائی والا اور بلند درجے والا ہے۔	وہ بزرگوار اور قادر اور ہیبت ناک خدا ہے۔ (استثنا ۱۷/۱۰)
خدا صادق اور سچا ہے۔	
ومن اصدق من اللہ قیلا (سورۃ نساء: ۱۲۲) اور اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہو سکتا ہے۔	خدا سچا اور بدی سے مبرا ہے۔ وہ صادق اور برحق ہے۔ (استثنا ۳۲، ۵/۳۲)
خدا ابدی و ازلی ہے۔	
ھوالاول والآخر۔ (سورۃ الحدید: ۳) وہی اول و آخر ہے۔	ابدی خدا تیری پناہ ہے اور اس کے ابدی بازو تیرے نیچے ہیں۔ (استثنا ۳۳، ۲۷/۳۳)
خدا غیور ہے۔	
لا أحد أغیر من اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں (حدیث نبوی)	میں خداوند خدا غیور خدا ہوں۔ (استثنا ۹/۵)
خدا وفادار اور عہد کا پابند ہے۔	
انک لا تخلف المیعاد (آل عمران: ۱۹۴)۔ بیشک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔	وہ وفادار خدا ہے۔ جو عہد کا پاس کرتا ہے (استثناء ۹/۷)

خدا منصف ہے اس کی بارگاہ میں نیک و بد برابر نہیں ہو سکتے۔	
افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون۔ (سورہ القلم: ۳۶/۳۵) کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کردیں گے تمہیں کیا ہوا ہے تم کیا فیصلہ کرتے ہو۔	ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کے ساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں (پیدائش ۲۵/۱۸)
خدا ہی مارتا اور جلاتا ہے۔	
ھو یحیی ویمیت (یونس: ۵۶) وہی جلاتا اور مارتا ہے۔	اب دیکھو میں ہاں میں ہی وہ ہوں اور کوئی معبود میرے ساتھ نہیں میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جلاتا ہوں (استثنا ۳۲، ۳۹/۳۲)
خدا ہی شفا دیتا ہے۔	
واذا مرضت فھو یشفین۔ (سورۃ الشعراء: ۸۰) اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔	میں ہی زخمی کرتا ہوں اور میں چنگا کرتا ہوں۔ (استثنا ۳۲، ۳۹/۳۲)
شرک اور بت پرستی کی شدید مذمت۔	
والرجز فاھجر (سورۃ المدثر: ۵) اور بت پرستی کو چھوڑ۔ پس تم اللہ کے ساتھ ساجھی نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔ (سورۃ البقرۃ رکوع ۳)	میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا، تو اپنے لیے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے مت بنائے۔ انکو سجدہ نہ کرنا ان کی بندگی کر۔ (استثنا ۵، ۵/۷)
بندگی رب کی دعوت۔	
واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (الحجر: ۹۹) اور اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جب تک تمہیں موت نہ آ جائے۔	تو خداوند اپنے خدا سے ڈرتا رہ اسی کی بندگی کر اور اسی سے لپٹا رہ (استثنا ۱۰، ۳۱/۱۰)
قسم اللہ ہی کی کھائی جا سکتی ہے۔	
من کان منکم حالفا فلیحلف باللہ اولیصمت۔ (متفق علیہ) تم میں سے جو شخص قسم کھائے اسے چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔	اس کے نام کی قسم کھا وہی تیرا فخر ہے۔ (استثنا ۱۰، ۳۱/۱۰)

دعا کی مشروعیت۔

وقال ابکم ادعونی استجب لکم (غافر:۶۰) اور تیرے رب نے فرمایا مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ اذاسألك عبادی عنی فانی قریب اجیب عوة الداع اذا دعان (سورۃ البقرۃ:۱۸۶)	کیونکہ ایسی بڑی قوم کون ہے جس کا معبود اس قدر اس کے نزدیک جیسا خداوند ہمارا خدا کہ جب کبھی ہم اس سے دعا کریں ہمارے نزدیک ہے (استثناء باب ۴/۷)

مظلوم کی دعا رد نہیں کی جاتی۔

لا ترد دعوة المظلوم (حدیث شریف) مظلوم کی دعا رد نہیں کی جاتی۔	تم کسی بیوہ یا یتیم لڑکے کو دکھ نہ دینا اگر تو ان کو کسی طرح سے دکھ دے اور وہ مجھ سے فریاد کریں تو میں ضرور ان کی فریاد سنوں گا اور میرا قہر بھڑکے گا اور میں تم کو تلوار سے مار ڈالوں گا اور تمہاری بیویاں بیوہ اور تمہارے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ (خروج ۲۲/۲۲-۲۴)۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان، ایمان کے چار ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ "ولکن البر من أمن بالله واليوم الأخر والملائكة والكتاب" (سورۃ البقرۃ:۱۷۷) بلکہ وفاداری ان کی ہے جو اللہ پر یوم آخرت پر فرشتوں پر کتاب پر اور نبیوں پر صدق دل سے ایمان لائے ہیں۔	توریت میں بعض مقامات پر فرشتوں کا تذکرہ آیا ہے دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے آگے بھیجتا ہوں کہ راستہ میں تیرا نگہبان ہو (خروج ۲۳/۲۰) "جب صبح ہوئی تو فرشتوں نے لوط سے جلدی کرائی اور کہا کہ اٹھ اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو جو یہاں ہیں لے جا" (پیدائش ۱۹/۱۵)

توریت اور قرآن مجید میں فرشتوں کے تعلق سے واضح فرق ہے قرآن مجید کے مطابق فرشتے کھاتے پیتے نہیں جب کہ توریت میں ان کے گھی، دودھ اور بچھڑے کے گوشت نیز بے خمیری روٹی کے کھانے کا تذکرہ ہے (دیکھئے پیدائش ۱۸/۸، ۱۹/۳)۔

غور کیجئے جب فرشتوں نے کھانا کھایا تو تمام شہوانی باتیں جو کہ تغذیہ کو لازم ہیں پائی گئیں پر

قدوسیت ملائکہ کہاں گئی؟ (تفسیر حقانی مقدمہ:۱۹۳)

عبادات

نماز کی مشروعیت

ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا. یقیناً نماز مومنوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ اہل ایمان پر ہر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں۔	اسی کی بندگی کر اور اسی سے لپٹا رہ۔ (استثناء ۱۰/۱۸) تالمود کے بیان کے مطابق یہودیوں پر عام ایام میں تین نمازیں فرض ہیں۔ صبح کی نماز، عصر کی نماز اور شام کی نماز۔

نماز کی شرطیں

جگہ اور کپڑے کا پاک ہونا

وثیابک فطہر (سورۃ المدثر:۴) اور اپنے کپڑے کو پاک رکھ۔	پاک کر دے پاک مکان میں عبادت کریں۔ (خروج)

وضو کا حکم

اور جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کا ٹخنوں تک دھلو۔ (سورۃ المائدۃ:۶)،	پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا تو دھونے کے لئے پیتل کا ایک حوض اور پیتل ہی کی اس کی کرسی بنانا اور اسے خیمۂ اجتماع اور قربان گاہ کے بیچ میں رکھ کر اس میں پانی بھر دینا اور ہارون اور اس کے بیٹے اپنے ہاتھ پاؤں اس سے دھویا کریں خیمۂ اجتماع میں داخل ہوتے وقت پانی سے دھولیا کریں تا کہ ہلاک نہ ہوں (خروج ۳۰/۱۷-۲۰)

جماعت کی مشروعیت

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ نماز میں قرآن مجید کی تلاوت واجب ہے۔	جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ نماز میں توریت کی تلاوت واجب ہے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

عشر کی فرضیت	
واٰتوا حقه یوم حصاده۔ اور کھیتی کا حق اس کی کٹائی کے دن دو۔ جو فصلیں بارش یا ندیوں کے پانی سے ہوتی ہوں ان میں عشر اور رہٹ کے پانی سے تیار ہوں ان میں نصف عشر واجب ہے (متفق علیہ)	تو اپنے غلہ میں سے جو سال بسال تیرے کھیتوں میں پیدا ہو دہ یکی دینا۔ (استثناء باب ۱۴/۲۲) جب تو اپنے تاکستان کے انگوروں کو جمع کرے تو اس کے بعد اس کا دانہ دانہ نہ توڑ لینا وہ پردیسی اور یتیم اور بیوہ کے لئے رہے۔
مصارف زکوٰۃ	
انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل" (سورۃ التوبہ: ۶۰) صدقات بس محتاجوں، مسکینوں، عاملین صدقات اور تالیف قلوب کے سزاواروں کے لئے ہیں اور اس لیے کہ یہ گردنوں کو چھڑانے تاوان زدوں کے سنبھالنے اللہ کی راہ اور مسافروں کی امداد میں خرچ کیے جائیں۔	اور جب تو تیسرے سال جو دہ یکی کا سال ہے اپنے سارے مال کی دہ یکی نکال چکے تو اسے لاوی اور مسافر اور یتیم اور بیوہ کو دینا تا کہ وہ اسے تیری بستیوں میں کھائیں اور سیر ہوں۔ (استثنا ۲۶/۱۲،۱۳)
قربانی کے احکام	
قربانی کی مشروعیت	
فصل لربك وانحر۔ (سورۃ الکوثر: ۲) تو اپنے خداوند ہی کی نماز پڑھو اور اسی کے لئے قربانی کرو۔	اور خداوند نے خیمۂ اجتماع میں موسیٰ کو بلا کر اس سے کہا بنی اسرائیل سے کہہ کہ جب تم میں سے کوئی خداوند کے لئے چڑھاوا چڑھائے تو تم چوپایوں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری کا چڑھاوا چڑھانا۔ (احبار ۱/۲)
قربانی کے جانور کا عیب سے پاک ہونا	

اربع لا تجوز فی الضحایا............ چار قسم کے عیب والے جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ بہت زیادہ لنگڑا کر چلنے والا، واضح اندھا، بے حد بیمار اور وہ جانور جو قربان گاہ تک چل کر نہ جاسکے۔	اگر اس کا چڑھاوا گائے بیل کی سوختنی قربانی ہو تو وہ بے عیب نر کو لا کر اسے خیمہ اجتماع کے دروازہ پر چڑھائے۔ (احبار ۱/۳)

قربانی کے احکام میں شریعت اسلامیہ اور موسوی شریعت کے درمیان درج ذیل فرق ہے۔

۱: موسوی شریعت میں قربانی خواہ نذر کی ہو یا خطا کی، سوختنی کی ہو یا سلامتی کی، کاہن کے بغیر یہ قربانیاں نہیں پیش کی جاسکتی۔ انہیں کے توسط سے یہ قربانیاں مقبول ہوں گی۔ (دیکھئے احبار باب دو تین) جب کہ اسلام میں ہر شخص بلا کسی واسطے کے اپنی قربانی خود پیش کرسکتا ہے بلکہ براہ راست اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا مستحب و پسندیدہ ہے۔

۲: یہودی شریعت میں قربانی صرف خیمہ اجتماع کے پاس ہے مخصوص مذبح کے پاس ہی پیش کی جاسکتی ہے۔ دیکھئے احبار باب ۲۱) جب کہ اسلامی شریعت میں روئے زمین کے کسی بھی خطے میں یہ قربانی کی جاسکتی ہے۔

۳: اسلامی شریعت میں قربانی کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی جائز ہے جب کہ یہودی شریعت میں منت اور رضا کی قربانی کا گوشت دو دن سے زائد کھانا جائز نہیں۔ (احبار ۷/۱۶-۱۷)

☆☆☆☆☆

تعارف کتب

اسلامی مصادر کا تعارف

(۸)

ڈاکٹر عبدالوہاب ابراہیم ابو سلیمان

مذہب خلف کے عقیدہ کے مصادر:

۱: الابانۃ عن اصول الدیانۃ: ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (۳۳۰ھ)

آپ نے اس کتاب میں معتزلہ اور قدریہ کے عقائد اور ان کے شبہات کا جائزہ لیا ہے اور جن مسائل میں معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں پہلے معتزلہ کا اور پھر اہل سنت کے موقف کا تذکرہ کیا ہے۔ اپنے منہج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں! "پس اگر کوئی یہ کہے کہ آپ معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، حروریہ، روافض اور مرجئہ کے مسالک کا انکار کرتے ہیں تو آپ کا عقیدہ کے باب میں مسلک و منہج کیا ہے" تو جواباً کہا جائے گا ہم عقیدہ کے باب میں کتاب الٰہی، سنت نبوی، صحابہ اور تابعین اور ائمہ حدیث سے مروی آثار پر عمل پیرا ہیں اور ان اعتقادات کے حامل ہیں جو امام اہل سنت والجماعت ابو عبداللہ احمد بن حنبلؒ کے تھے۔ یہ کتاب مختلف ابواب و عناوین پر مشتمل ہے۔ اہم عناوین درج ذیل ہیں۔ رویت باری، قرآن کلام الٰہی ہے۔ صفت استواء، صفت وجہ، عینین، بصر اور یدین، جہمیہ کے علم الٰہی اور قدرت الٰہی کی نفی کا جائزہ، ارادہ، استطاعت، قدر اور شفاعت نیز امامت ابی بکر الصدیقؓ کا مسئلہ۔

۲: کتاب اللمع فی الرد علی اہل الزیغ والبدع: ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری (۳۳۰ھ)

عقائد کے باب میں مؤلف کی اہم ترین کتاب ہے۔ ہر مسئلہ پر عقلی دلائل کا انبار لگا دیا ہے۔ سوال و جواب کی شکل میں ہر مسئلہ پر بحث کی ہے۔ کتاب مختلف ابواب اور پھر ہر باب متعدد مسائل کے بیان پر مشتمل ہے۔ درج ذیل اہم امور پر روشنی ڈالی ہے۔ اللہ اور اس کی صفات، قرآن، ارادہ، رویت باری، قدر، استطاعت، تعدیل و تجویر، ایمان، خاص و عام، وعد و وعید، امامت و خلافت۔

۳: رسالۃ فی استحسان الخوض فی الکلام: ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری:

علم کلام کی اہمیت و ضرورت بیان کرتے ہوئے آپ نے ان علماء کی رایوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے جو علم کلام کو بدعت و گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔

۴: کتاب التوحید: ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی السمرقندی (۳۳۳ھ)

فرقہ ماتریدیہ کا پہلا مصدر ہے۔ تقلید کے ابطال پر گفتگو کرتے ہوئے سمرقندی نے معارف کی قدر و قیمت، اور محسوسات، خبر اور عقل کی روشنی میں ثابت معارف کی جانچ و پرکھ کے معیار پر گفتگو کی ہے۔ اجسام کے حادث ہونے کے دلائل فراہم کیے ہیں جو فی نفسہ وجود الٰہی کے دلائل ہیں۔

صفات الٰہی پر بھی گفتگو کی ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انہیں صفات سے متصف قرار دینا جائز ہے جو شریعت میں وارد ہیں۔ رویت باری اور استواء کا اثبات کیا ہے۔ افعال عباد کے تعلق سے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ بندہ حقیقت میں اپنے کاموں کا فاعل مختار ہوتا ہے۔

چند فصلیں، مجوسیوں اور زنادقہ کی رایوں کے جائزہ پر بھی مشتمل ہیں۔ عقیدہ میں آپ کی درج ذیل دو کتابیں بھی ہیں۔

"کتاب المقالات" اور "کتاب تاویلات القرآن"۔

۵: کتاب التمہید: ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی (۴۰۳ھ)

انتہائی مختصر اور جامع کتاب ہے۔ اہم عقائد کے دلائل فراہم کیے گئے ہیں۔ حدوث عالم، وجود باری، وحدانیت، رسولوں کی حاجت و ضرورت کے دلائل دیے گئے ہیں۔ باطل فرقوں، مجسمہ، مشبہہ، قدریہ، معتزلہ، روافض اور خوارج کے اختلافات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ پھر خلفاء اربعہ کے فضائل و مناقب ان کی امامت کا اثبات اور پھر مشاجرات صحابہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۶: الانصاف فیما یجب اعتقادہ ولا یجوز الجہل بہ: القاضی ابوبکر محمد بن الطیب باقلانی۔

آغاز میں ان مبادی و مقدمات کا تذکرہ ہے جن کے بغیر معرفت الٰہی اور صفات الٰہی پر غور و فکر ممکن نہیں پھر آپ نے علم کی دو قسمیں کی ہیں۔

علم الٰہی، اور علم مخلوقات۔ پھر آپ نے جملہ علوم کے موجود و معدوم میں منحصر ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور پھر موجود کی قدیم و محدث دو قسمیں بیان کی ہے اور پھر محدث کی دو قسموں جسم اور جوہر (فرد اور عرض) کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر ذات باری کے علاوہ جملہ مخلوقات کے حدوث اور خالق کائنات کے اثبات اور اس کی صفات کو بیان کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا تذکرہ ہے جو مستوجب شکر ہیں پھر نبوت و رسالت کی حقانیت و ضرورت، شریعت محمدیہ کے خاتم الشرائع ہونے کا بیان ہے۔ پھر ابوبکر الصدیقؓ اور بقیہ خلفاء کی خلافت اور امامت کی شرطوں کا تذکرہ ہے اور آخر میں خلق و کسب کے مسائل پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

۷: کتاب اصول الدین: ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر التمیمی البغدادی (۴۲۹ھ)

عدل، توحید، وعدہ وعید، نبوت، معجزات، کرامات اور امامت کی شرطوں پر اصولی وفنی گفتگو کی گئی ہے۔ مؤلف کی عقیدہ اور فرق پر درج ذیل دیگر کتابیں بھی قابل ذکر ہیں فضائح المعتزلہ، فضائح القدریہ، تاویل المتشابہات فی الاخبار والآیات، اصول ایمان، قرآن کے مخلوق ہونے کی نفی، وغیرہ۔

۸: التبصیر فی الدین وتمییز الفرقۃ الناجیۃ عن الفرق الہالکین۔

ابوالمظفر طاہر بن محمد الاسفرائینی (۴۷۱ھ)

یہ کتاب پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔

۹: الشامل فی اصول الدین: ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی (۴۷۸ھ)

یہ کتاب درحقیقت تین کتابوں کا مجموعہ ہے۔ (۱) کتاب النظر (۲) کتاب التوحید (۳)

۳: کتاب العلل:

کتاب کا آغاز اس سوال سے کیا گیا ہے کہ کیا ایک ہی حالت میں دو رایوں کا اجتماع ممکن ہے یا نہیں؟ اور پھر اس کا جواب دیتے ہوئے حدوث عالم وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے، اور اس باب میں معتزلہ کے آراء وافکار کا بڑے ہی علمی ومعروضی انداز میں جائزہ لیا گیا ہے، اور پھر توحید اور صفات باری پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور مجسمہ کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے، اور نظام کی بعض ملمع سازیوں سے نقاب کشائی کی گئی ہے، اور آخر میں علت ومعلول کی حقیقت اور اس کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۱۰: کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف الجوینی (۴۷۸ھ)

مؤلف کا مقصود دینی عقائد کا بیان اور ان کے دلائل کی فراہمی کے ساتھ ساتھ مخالف فرقوں اور مسالک کا جائزہ لینا بھی ہے۔ اسلوب بیان واضح اور قوی ہے۔ پیچیدگی اور طوالت سے خالی ہے پوری کتاب ابواب اور پھر ہر باب مختلف فصلوں میں منقسم ہے۔ آغاز میں الٰہیات پر گفتگو کی گئی ہے چنانچہ، غور وفکر کے احکام، علم کی حقیقت، حدوث عالم، صانع اور اس کی صفات، رویت کا جواز، خلق اعمال، استطاعت تعدیل وتجویر وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے پھر نبوت کی ضرورت اور آخرت کے بعض احکام مذکور ہیں اور آخر میں امامت اور مشاجرات صحابہؓ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۱: الاقتصاد فی الاعتقاد۔ ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (۵۰۵ھ)

متوسط درجہ کی کتاب ہے اسلوب بیان نہ تو طویل اور نہ ہی بے حد مختصر ہے کتاب چار

تمہیدوں اور چار اقطاب اور پھر ہر قطب مختلف مسائل اور دعووں پر مشتمل ہے۔

تمہید میں فن عقیدہ کی ضرورت واہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اقطاب اربعہ میں ذات باری، صفات الٰہی، افعال خداوندی اور رسولوں پر گفتگو کی گئی ہے۔

۱۲: المضنون بہ علی غیر اہلہ: ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (۵۰۵ھ)

ابن الصلاح اور بعض معاصر علماء نے ابوحامد کی جانب اس کتاب کی نسبت کی تردید کی ہے جب کہ بعض معاصر علماء جیسے سلیمان دنیا نے اپنی کتاب "الحقیقۃ عند الغزالی" میں اس کی نسبت امام غزالی کی جانب ثابت کی ہے۔ کتاب چار ارکان پر مشتمل ہے۔ ربوبیت، فرشتے، معجزات کی حقیقت اور مابعد الموت کے مسائل۔

۱۳: فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ: ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (۵۰۵ھ)

اس کتاب میں آپ نے ان لوگوں کے مسلک کی تردید کی ہے جنہوں نے معاملات کے اسرار ورموز پر لکھی گئی آپ کی کتابوں پر تنقید کی ہے۔

یہ کتاب چند فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل مختلف مذاہب وفرق کے آراء وافکار کے تنقیدی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ کفر، تکذیب وتصدیق کی حقیقت اور تعریف، مسئلہ تکفیر، قانون تاویل، وغیرہ۔

۱۴: قانون التاویل۔ ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (۵۰۵ھ)

امام غزالی نے یہ کتاب بعض مشکل احادیث وآثار کی بابت آپ سے کئے گئے اعتراضات واشکالات کے پس منظر میں لکھی ہے۔ جیسے جنوں کا مختلف حیوانات اور مختلف شکلوں میں نظر آنا، فرشتوں کا انسانوں کی صورت میں نمودار ہونا، شیطان کا انسان کے خون کی طرح اس کے رگ وریشے میں دوڑنا، اذان کے وقت شیطان کا ہوا خارج کرتے ہوئے بھاگنا، برزخ کی حقیقت۔

یہ اور اس طرح کے امور میں علماء نے جو مواقف اختیار کئے ہیں انہیں آپ نے پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے اور آخر میں اس طرح کے امور کے تئیں درج ذیل موقف اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

۱: اس طرح کے امور کی مکمل حقیقت کے ادراک کی طمع نہ کرے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے "اور ہمیں علم کا ایک معمولی حصہ ہی دیا گیا ہے"۔

۲: عقلی دلائل کی تکذیب نہ کی جائے۔ کیونکہ عقل کو جھوٹا قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر عقل کو جھوٹا قرار دیا گیا تو شاید شریعت کے اثبات میں بھی تکذیب سے کام لیا جائے۔

۳: مختلف احتمالات کے متعارض ہونے کی صورت میں کسی معین معنی اور تاویل کی تعین سے احتراز کیا جائے کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کے مقصود کی ظن وگمان سے تعیین خطرے سے خالی نہیں۔

۱۵: فضائح الباطنیہ وفضائل المستظہریہ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی:

امام غزالی نے اس کتاب کو دو عظیم مقاصد کے لئے لکھا تھا، فرقہ باطنیہ کے باطل اور گندے افکار و نظریات کو منظر عام پر لانا۔ دوسرے خلیفہ مستظہر باللہ کی خلافت کے فضائل و مناقب کو بیان کرنا۔

آپ نے یہ کتاب عباسی خلیفہ احمد بن المقتدی باللہ المستظہر کے اشارے پر تصنیف کی ہے۔

کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں منہج کتاب دوسرے میں باطنیہ کے القاب، انکے اغراض و مقاصد تیسرے میں ان کے حیلوں کی درجہ بندی کی ہے۔ چوتھے باب میں ان کے شبہات اور پانچویں باب میں ظاہر قرآن اور اعداد سے ان کے دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے۔

چھٹے باب میں ان کے عقائد و مسلک کی تردید کے وجوب کے عقلی دلائل اور ساتھ ہی امام معصوم کی ضرورت کی حقیقت، اور آٹھویں باب میں شریعت کا ان کے حق میں فتویٰ اور نویں باب میں ان دینی وظائف و امور کا تذکرہ ہے جن پر مداومت امامت و خلافت کے استحقاق کو دوام عطا کرتی ہے۔

۱۶: العقائد النسفیہ: ابو حفص عمر بن محمد النسفی (۵۳۷ھ)

مسلک خلف کی عقیدہ پر انتہائی جامع اور اہم کتاب ہے۔ مختلف علماء نے اس کی شرح و تحلیل کی ہے۔ اس کے مشہور شارح سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی لکھتے ہیں: "یہ متن بے شمار فوائد پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب دین کے بنیادی قواعد و اصول کے بیان پر مشتمل ہے۔ دلائل انتہائی مہذب اور مرتب انداز میں حسن ترتیب و تنسیق کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

اس کتاب میں درج ذیل امور پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اشیاء کی حقیقت، اسباب علم (حواس سلیمہ، خبر صادق اور عقل)، الہام، حدوث عالم، باری کائنات، اور اس کی صفات، رویت باری کے جواز کے عقلی اور وجوب کے نقلی دلائل، بندوں کے افعال کا مخلوق ہونا، حسن و قبح، استطاعت کا مفہوم، تکلیف مالا یطاق، عذاب قبر، بعث، گناہ کبیرہ اور اس کے مرتکب کا حکم شفاعت، ایمان، رسالت، معجزات، فرشتے، کتابیں، معراج، کرامات اولیاء، قیامت کی نشانیاں وغیرہ۔

۱۷: نہایۃ الاقدام فی علم الکلام: محمد بن عبد الکریم الشہرستانی (۵۴۸ھ)

آپ نے اس کتاب میں عقیدہ کے باب میں مختلف اسلامی فرقوں کے آراء و افکار کا جائزہ لیا ہے اور مسلک حق کی ترجمانی کی ہے۔ محتویات کتاب کو آپ نے بیس قاعدوں کے تحت بیان کیا ہے۔

۱: حدوث عالم ۲: حدوث کائنات ۳: توحید ۴: تشبیہ کا ابطال ۵: تعطیل کی صورتیں اور اس کا ابطال ۶: احوال ۷: معدوم کی حقیقت ۸: صفات الٰہی کے احکام کی معرفت ۹: صفات ازلیہ کا علم ۱۰: ازلی علم ۱۱: ارادہ ۱۲: اللہ تعالیٰ کے ازل سے متکلم ہونے کا اثبات ۱۳: کلام باری ایک ہے۔ ۱۴: انسانی نطق کی حقیقت۔ ۱۵: خدا کا سمیع و بصیر ہونا۔ ۱۶: رویت باری کا عقلاً جواز اور نقلاً وجوب۔ ۱۷: تحسین و تقبیح ۱۸: افعال خداوندی میں اسباب و علل کو فرض کرنے کا ابطال ۱۹: نبوت کی ضرورت و اہمیت ۲۰: رسالت محمدیہ ﷺ کا بیان۔

۱۸: مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ۔ القاضی ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد۔ (۵۹۵ھ)۔

عقیدہ کے اہم مسائل پر پانچ فصلوں میں آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

۱: وجود باری کے دلائل ۲: وحدانیت ۳: صفات ۴: نبوت ۵: افعال الٰہی۔

۱۹: المعالم فی اصول الدین۔ فخر الدین محمد بن عمر بن الحسن الرازی (۶۰۶ھ)

یہ کتاب بھی درج ذیل پانچ اہم علوم کے بیان پر مشتمل ہے۔

۱: علم اصول دین ۲: اصول فقہ ۳: فقہ ۴: اختلاف کے آداب ۵: مناظرہ و مناقشہ کے آداب۔

۲۰: نہایۃ العقول فی الکلام فی درایۃ الاصول فخر الدین محمد بن عمر الرازی (۶۰۶ھ)۔

عقیدہ کے باب میں یہ کتاب بیس اصولوں پر مشتمل ہے۔

۲۱: ابکار الافکار۔ علی بن ابی علی بن محمد المعروف سیف الدین الآمدی (۶۳۱ھ)

آٹھ بنیادی قواعد پر یہ کتاب مشتمل ہے جن کے ضمن میں جملہ اصولی مسائل آ گئے ہیں۔

۱: علم ۲: فکر و نظر ۳: مطلوب تک پہونچانے والا ۴: معلوم کی قسمیں ۵: نبوت ۶: معاد ۷: اسماء ۸: امامت۔

۲۲: غایۃ المرام فی علم الکلام سیف الدین علی بن ابی علی الآمدی۔

یہ کتاب ابکار الافکار کی تلخیص ہے۔ آٹھ قوانین کے بیان پر مشتمل ہے۔ اختصار کے ساتھ ملحدین، معتزلہ وغیرہ کے دلائل کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔

واجب بذاتہ، صفات، وحدانیت، تشبیہ، افعال خداوندی اور معاد وغیرہ جیسے اہم مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔

۲۳: العقائد العضدیہ عضد الدین عبد الرحمن بن احمد الایجی (۷۵۶ھ)

یہ کتاب اشاعرہ کے عقیدہ کی اہم ترین کتاب تصور کی جاتی ہے۔

۲۴: کتاب المواقف۔ عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد الایجی (۷۵۶ھ)

یہ کتاب چھ مواقف پر مشتمل ہے۔ ۱: مقدمات ۲: امور عامہ ۳: اعراض ۴: جواہر ۵: الہیات ۶: سمعیات۔

اس کتاب کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔ سب سے عمدہ شرح شریف الجرجانی کی ہے۔

۲۵: کتاب المقاصد فی علم الکلام۔ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی۔

چھ مقاصد پر یہ کتاب مشتمل ہے اور اختصار کے باوجود بھی علم کلام کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۵: المسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن الہمام الحنفی (۸۶۱ھ)

اصلاً یہ کتاب امام غزالی کی کتاب "الرسالۃ القدسیۃ" کی تلخیص ہے جس پر مؤلف نے بعض اضافے کئے اور پھر یہ اضافے اتنے بڑھتے گئے کہ یہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ چار ارکان اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں فن عقیدہ کی تعریف کی گئی ہے۔ رکن اول میں ذات باری، ثانی میں صفات الٰہی اور ثالث میں افعال خداوندی اور رکن رابع میں صداقت رسول ﷺ پر گفتگو کی گئی ہے۔ ہر رکن دس اصول پر مشتمل ہے اور خاتمہ میں ایمان و اسلام اور ان دونوں سے متعلق مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم شرح زین الدین قاسم بن قطلو بغا کی ہے اور ابن ابی شریف المقدسی کی شرح "المسامرۃ فی شرح المسایرۃ" بھی اہم ترین شرحوں میں سے ہے۔

احساسات و تاثرات

"میری جنت، میری شفیق ماں......!"

طاہر نقاش

جولائی ۱۹۹۲ء کا ایک دن ہے۔ یہ سراجیو (بوسنیا) کا فٹ بال گراونڈ ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سربی درندے اسلحہ و بارود سے مسلح ہو کر چوکس کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے ہیں۔ فرانسیسی این جی اوز نے بوسنیا کے مسلمانوں سے ان کے بچے چھپانے کے لئے کہا۔ "جنگ لگی ہوئی ہے، آپ کے بچے بے موت مارے جائیں گے۔ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تو ہم بحفاظت دوسرے یورپی ملکوں میں پہنچا کر ان کی جانیں بچا سکتے ہیں"۔ مائیں شفقت پدری کے ہاتھوں مجبور بچوں کو لے کر وقت مقررہ پر مقررہ مقام پر پہنچ گئی ہیں۔ گراؤنڈ میں بسیں ننھے مسافروں کو کہیں لے جانے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو اٹھائے کوئی انگلی پکڑے، بسوں کی طرف بوجھل قدموں سے بڑھ رہی ہیں۔ ایک ماں اپنے جگر کے ٹکڑے خوبصورت معصوم بچے کو یہ سبق رٹائے جا رہی ہے کہ بیٹا یاد کرو "تمہاری ماں کا نام عائشہ ہے، تمہارا نام الفاتح ہے، تمہارا پتہ ہاؤس نمبر ۲۵، اسٹریٹ نمبر ۲، عقب اسلامک ماڈل اسکول سراجیو ہے"۔ پھر اسے ایک کاغذ تھماتی ہے کہ راستے میں بھی اس پرچے کو یاد کرتے جانا۔ وہ چاہتی ہے کہ لکھی ہوئی عبارت اور معلومات اس کے ذہن میں راسخ اور پختہ ہو جائیں اور یوں وہ اپنی ممتا کو یادوں کا نقش کبھی بھی اپنے دل و دماغ سے نہ کھرچ سکے...... کیوں......؟ وہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟...... اس لئے کہ...... اسے آس و امید ہے کہ اس کا پھول کبھی واپس اس کے آنگن میں لوٹ کر آئے...... تو کہیں راستہ نہ بھول جائے۔

فرانس کی غیر سرکاری تنظیم کے مقامی کارندوں نے پھر اچانک ماؤں سے ان کے لخت جگر چھین کر بسوں کے اندر پہنچا دیے۔ بسیں اسٹارٹ ہو رہی ہیں...... بسوں میں بند بچوں کے ہاتھوں میں پکڑے چند سکے، اپنے پیاروں کی تصویریں یا چند معمولی کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ وہ حسرت و یاس کی تصویر بنے، مرجھائی اور مسلی ہوئی کلیوں کی طرح شیشے سے باہر کی دنیا کو پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے

ہیں.........اب ایک طرف ممتا بلک رہی ہے.........تو دوسری طرف ان کے جگر گوشے تڑپ رہے ہیں.........یہ معصوم فرشتے.........شیشوں پر اپنے ناتواں ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے، ان کو توڑ کر باہر نکلنے کے لیے بے قرار ہیں، گویا چاہتے ہوں کہ یہ حائل دیواریں (شیشے) ٹوٹ جائیں.........اور ہم چشم زدن میں اڑ کر اپنی ماؤں کی آغوش میں جا سوئیں۔ بس کے اندر بچوں کی دل خراش چیخوں، دلدوز آہوں اور سسکیوں نے رپورٹنگ کرنے والے بی بی سی کے نمائندے کو بھی آنسوؤں کے سمندر میں غرق ہونے پر مجبور کر دیا.........پھر اچانک بسوں کی رفتار تیز ہو گئی۔ بسیں دور.........اور دور.........بہت دور ہوتی گئیں۔ مائیں تڑپتے، سلگتے جذبات سے ہاتھ اٹھا اٹھا کر الوداع کر رہی ہیں.........آخر بسوں کا قافلہ.........ان جانی منزلوں کے معصوم مسافروں کا قافلہ، آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ کتنی مائیں شدت غم سے نڈھال ہو کر زمین پر گری پڑی ہیں اور ہاتی کی دہاڑیں اور فریادیں پہاڑوں میں گونج رہی ہیں۔

نامعلوم منزلوں کے مسافروں کے قافلے کو روانہ ہوئے دس سال بیت چکے ہیں.........ایک دن ڈاکیہ ایک خط لے کر اسلامک ماڈل اسکول کے عقب میں مکان نمبر ۲۵ پر دستک دیتا ہے۔ ایک باپردہ ادھیڑ عمر خاتون دروازہ کھولتی ہیں، ہاتھ میں چھوٹے سائز کا قرآن ہے، شاید تلاوت کرتے کرتے ویسے ہی اٹھ کر چلی آئی ہیں۔ ڈاکیے نے سلام کے بعد خط تھما دیا۔ خاتون نے دیکھا کہ اوپر عائشہ کا نام لکھا ہے.........تو دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ جلدی جلدی خط کھول کر پڑھنے لگی۔ جوں جوں پڑھتی گئی اس کی ہچکی بندھتی گئی حتی کہ آنسوؤں کے سیل رواں نے اسے خط پڑھنے سے روک دیا۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

میری جنت، میری شفیق ماں!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں تیرا بیٹا، تیرا لخت جگر ابھی زندہ ہوں تم نے چلتے وقت مجھے گھر کا ایڈریس یاد کروا دیا تھا لو آج میں تمہیں خط لکھ رہا ہوں اللہ جانے خط تجھ تک پہنچتا ہے تو جواب دیتی ہے کہ میں تیرے جواب کے انتظار میں عمر گزار دیتا ہوں۔ ماں تو مجھے بہت پیار کرتی تھی، تو نے میرے ساتھ بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں.........جنہیں میں پورا نہ کر سکا میری غمزدہ اور دکھیاری ماں!.........تو نے میرا نام "الفاتح"، یورپ و بوسنیا کو فتح کرنے والے بہادر سلطان، سلطان محمد الفاتح کے نام پر رکھا تھا

لیکن آج تیرا فاتح بے بس انسانوں کی دنیا میں مفتوح ہو چکا ہے اس کی اپنی ہر مرضی ختم ہو چکی ہے اب وہ غلام ہے اب اگرچہ تیری طرح اس کی جبین سجدہ ریز ہونے کے لئے تڑپتی ہے لیکن ایسا کر نہیں سکتی.........کیوں؟.........اس لئے کہ مجھے ایک چرچ کا خادم بنا دیا گیا ہے.........میں چرچ آنے والوں کی سروس (خدمت) کرتا ہوں اور چرچ کے ساتھ ساتھ یسوع مسیح اور مریم کے مجسمے کی دیکھ بھال اور جھاڑ پونچھ کرتا ہوں۔ میں تیرا دیا ہوا نام الفاتح ہی صحیح تسلیم کرتا ہوں.........لیکن کافروں نے میرا نام "ڈینیل" رکھ چھوڑا ہے وہ مجھے کہتے ہیں کہ تیرے ماں باپ مر کھپ چکے ہیں۔ اب یہ مسیح و مریم ہی تیرے (معنوی) ماں باپ ہیں.........ماں "تیرے جتنا پیار آج تک مجھے کسی نے نہیں دیا.........میں تیرا پیار، تیری شفقت اور تیری محبت تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔" تیری محبت کا ترجمان وہ فٹ بال اسٹیڈیم کا الوداعی منظر آج بھی میرے دل و دماغ کی اسکرین پر محفوظ ہے.........ماں! تجھ جیسی شفیق ہستی اپنے بیٹے کو چھوڑ کر کیسے مر سکتی ہے تو تو میرا انتظار کر رہی ہے؟ ایسے ہی میں تیرے پاس اڑ کر آ جانے کے لئے مضطرب و بے قرار ہوں پیاری ماں! یہ مجھے یہاں سے کہیں جانے نہیں دیتے مجھے بتا میں کیسے پلک جھپکتے تیرے پاس پہنچ جاؤں؟ ماں میرا اس ظالم دنیا میں کوئی غمگسار نہیں۔ پوری اسلامی دنیا میرے درد و الم سے ناآشنا ہے کوئی ہمیں یہاں سے رہائی دلانے والا نہیں، کوئی ہمارے دکھوں کو مداوا، زخموں پر مرہم رکھنے والا نہیں۔ ہماری کہانی یوں ہی بغیر کسی انجام کے ختم ہو جائے گی۔ ماں! اے دکھیاری غمگین ماں۔ "آپ مجھے اب بھی یاد آتی ہیں تو دل آپ کو یاد کر کے روتا رہتا ہے".........لیکن تو غم نہ کر.........ہاں، پریشان نہ ہو.........حوصلہ رکھ.........میں کسی نہ کسی طرح ایک دن تیرے پاس ضرور پہنچ جاؤں گا۔ پھر ہم اکٹھے مل کر ویسے ہی مسجد میں جمعہ پڑھنے جایا کریں گے جیسے تو مجھے بچپن میں لے کر جاتی تھی.........اور دوبارہ قرآن پڑھوں گا، اس لئے کہ اب میں سب کچھ بھول چکا ہوں.........میں عنقریب تیرے آنگن میں پھول کی مانند آؤں گا۔ انشاء اللہ۔ آخر میں اے ماں!.........تجھ سے دعا ہے کہ اپنے بیٹے کے لئے ان صلیبیوں سے رہائی کی دعا کر، کیونکہ مسلمانوں میں کوئی ایسا فاتح نظر نہیں آ رہا ہے جو ہمیں آزاد کروا سکے، میں صرف تمہاری دعا کا طالب ہوں.........!!

تمہارا کھویا ہوا بیٹا ...... محمد الفاتح

فقہ و فتاویٰ

ابوالقاسم فلاحی

سوال: کیا مندروں میں نماز ادا کرنا جائز ہے؟

مندروں اور کلیساؤں میں نماز ادا کرنا جائز و درست ہے۔ بشرطیکہ وہ پاک وصاف ہو اور مندر کے ذمہ دار سے اجازت لے لی جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا کی تھی درانحالیکہ اس میں بتوں کی تصویریں موجود تھیں۔ پھر مندر اور کلیسا اس حدیث کے عموم میں بھی داخل ہوں گے۔ "فأينما ادركتك الصلوة فصل فانه مسجد" جہاں کہیں بھی تمہیں نماز کا وقت آگھیرے تو تم وہیں نماز ادا کرلو کیونکہ وہ مقام تمہارے لئے مسجد ہے۔

کلیساؤں میں نماز پڑھنے کی رخصت حسن بصریؒ، عمر بن عبدالعزیز، علامہ شعبی، امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز، عمر فاروق اور ابوموسیٰ الاشعریؓ سے بھی منقول ہے۔

سوال: کیا جمعہ کا خطبہ اردو میں دیا جاسکتا ہے؟

جمعہ کا خطبہ اردو میں دینا جائز و درست ہے بشرطیکہ حمد وصلوٰۃ اور رسول اکرم ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر صلوٰۃ وسلام اور آیات قرآنی کی تلاوت کے لیے کم از کم ایک خطبہ خاص کر دیا جائے اور یہ وہ مقدار ہے جس سے خطبہ جمعہ کا انعقاد ہو جاتا ہے اور اسکے بعد وعظ ونصیحت عوام کی زبان میں کی جائے کیونکہ اسکے بغیر عوام کی اصلاح جو خطبہ کا اولین مقصد ہے، کا حصول ممکن نہیں۔ نیز آیات قرآنی کے علاوہ وعظ وارشاد سے متعلق عربی جملوں کی تلاوت موجب ثواب نہیں تو جو لوگ عربی نہ سمجھتے ہوں انکے سامنے ان جملوں کی تلاوت سے نہ تو اصلاح کا مقصد ملا اور نہ ہی ثواب کا حصول۔

انہیں اسباب و وجوہ کی بناء پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مشہور رائے یہ تھی کہ عربی پر قدرت کے باوجود غیر عربی میں خطبہ دینا درست ہے۔ (دیکھئے بدائع الصنائع ج ۱/۱۱۳)

کمال رہبار

نصاب تعلیم پر ایک اہم ورک شاپ

مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۲/۲۳ مارچ ۲۰۰۳ء نے دیگر اہم فیصلوں کے علاوہ یہ بھی طے کیا ہے کہ ماہ اگست ۲۰۰۳ء میں جامعہ اپنی نگرانی میں ایک ایسا ورک شاپ منعقد کرے جو موجودہ نصاب جامعہ کا جائزہ لے کر یہ رپورٹ دے کہ ہمارا نصاب اور اس کے مقاصد متاثر ہوئے بغیر جدید عصری درسگاہوں سے اسے کیسے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ ورک شاپ کا ابتدائی خاکہ پیش خدمت ہے مزید مشوروں اور تجاویز کی بنیاد پر اصلاح کی جاسکتی ہے۔

رہنما اصول:

1: مدارس کے بنیادی کردار (دینی، اخلاقی، تحریکی، علمی) کو متاثر کیے بغیر نصاب تعلیم کی جدید کاری پر غور وفکر ہونا چاہیے۔

۲: مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے جائزہ لیا جائے کہ جدید کاری کے نتیجہ میں حکومتی مداخلت سے مدارس کو محفوظ رکھا جائے۔

۳: طلبہ کے اندر مادی رجحانات کو فروغ نہ حاصل ہو اور مدارس جو عوامی تعاون سے اہم دینی فریضہ ادا کر رہے ہیں مادی سوچ کے لیے زینہ نہ بننے پائیں۔

۴: اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ طلبہ کا ایک گروہ جدید نصاب تعلیم سے گزرنے کے بعد بھی علوم اسلامیہ میں فضیلت اور تخصص کر سکے گا۔

۵: جدید نصاب کو اس طرز اور اس قدر داخل نصاب کیا جائے کہ بنیادی علوم کی شناخت قائم رہے اور جدید وقدیم کا تناقض دور ہو جائے اور تعلیم ایک اکائی کے طور پر منظر عام پر آسکے۔

۶: موجودہ مدارس کے نظام ونصاب کا جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ کس حد تک تدریج کے ساتھ جدید کاری کا عمل جاری کیا جاسکتا ہے۔

۷: درسی کتب اور معیار کو زیر بحث لایا جائے۔ معیار کے لئے موزوں درسی کتب کیا ہو سکتی ہیں۔ موجودہ درسیات کو کس قدر مفید مطلب بنایا جاسکتا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر سے درسیات کی تیاری میں قبت

اور منفی کیا پہلو ہو سکتے ہیں۔

۸: موجودہ نظام و نصاب تعلیم کا مثبت اور منفی تجزیہ کیا جائے۔

مقاصد:

☆ نصاب تعلیم کو اس طور سے ترقی دینا کہ جس کے نتیجہ میں تعلیمی دنیا میں اہل اسلام اپنا وجود منوا سکیں۔

☆ فارغین مدارس اسلامی علوم کے ساتھ جدید علوم سے بھی آراستہ ہوں تا کہ دنیا میں ان کی افادیت تسلیم کی جاسکے۔

☆ جدید و قدیم کی تفریق کے بجائے علم ایک کل کی حیثیت سے متعارف ہو۔ اسلام کے آفاقی تصور کی طرح علم کا بھی آفاقی تصور معرض وجود میں آسکے۔

زیر بحث موضوعات:

۱: مدارس کا موجودہ نظام اسباب و علل۔

۲: موجودہ نظام تعلیم اسلامی تاریخی تناظر میں۔

۳: مروجہ نصاب تعلیم کا ز کے پہلو سے کتنا ضروری اور کتنا غیر ضروری۔

۴: نصاب تعلیم کی جدید کاری کا مفہوم اور مقصد۔

۵: مدارس میں رائج عصری مضامین ایک جائزہ۔

۶: ہائی اسکول تک کا مکمل نصاب تعلیم زیر عمل لانے کی تدابیر۔

۷: علوم اسلامیہ میں اختصاص اور مجوزہ ہائی اسکول تک کا نصاب تعلیم۔

۸: ۱۰+۲ کے نصاب تعلیم کی گنجائش۔

۹: نصاب تعلیم کی مجوزہ جدید کاری تجربات کے آئینے میں۔

۱۰: مدارس عربیہ کی عصری درسگاہوں سے تطابق کی عملی شکلیں۔

۱۱: مدارس کا نصاب تعلیم کیا ہو؟۔

بین المدارس انعامی مقابلہ:

طالبات کی تحریری و تقریری صلاحیتوں کے فروغ اور طالبات مدارس کو ایک حلقۂ اتصال کی

شکل دینے کے لئے ''انجمن طالبات قدیم'' جامعۃ الفلاح کی جانب سے ۱۲ راگست بروز جمعرات ۲۰۰۲ء کو طالبات کے دینی مدارس کے مابین ایک انعامی مقابلہ کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ طالبات چار گروپ میں منقسم ہوں گی۔

گروپ A: عربی ششم تا عربی ہشتم

گروپ B: عربی سوم تا عربی پنجم

گروپ C: درجہ ہشتم تا عربی دوم

گروپ D: درجہ پنجم تا درجہ ہفتم

یہ مقابلے قرآت و تقریر و تحریر پر منحصر ہونگے۔ قرآت و تقریر کے مقابلوں میں چاروں گروپس کی طالبات شریک ہونگی۔ البتہ تحریری مقابلوں میں صرف A اور B کی طالبات شرکت کریں گی۔ گروپ A کا تحریری (کوئز) مقابلہ بعنوان ''فقہ'' اور گروپ B کا تحریری (کوئز) مقابلہ بعنوان ''سیرت نبی کریم ﷺ'' ہوگا تقریری مقابلہ کے لئے گروپ وائز درج ذیل عناوین تجاویز کئے گئے ہیں۔

گروپ A: اسلام اور مغربی چیلنج

گروپ B: دور حاضر اور ہماری ذمہ داریاں

گروپ C: اسلام اور مقصد حیات

گروپ D: مومنانہ زندگی کے اوصاف

اس پروگرام کا آغاز ان شاء اللہ ۹ بجے سے ہوگا۔ شرکاء براہ کرم وقت متعینہ پر کلیۃ البنات پہونچنے کی کوشش کریں دور دراز کی طالبات کے قیام و طعام کا نظم انجمن کی جانب سے ہوگا۔

''منجانب: انجمن طالبات قدیم کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱''

مولانا عبد العظیم اصلاحی صاحب کا طلبہ سے خطاب:

۲ر۷ر۲۰۰۲ء کو ابواللیث ہال میں مولانا نے طلبہ و اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جامعۃ الفلاح اور اس کے پیش رو مدرسۃ الاصلاح کی ایک اہم خوبی جو ان دونوں کو دیگر روایتی مدارس سے ممتاز کرتی ہے قرآن مجید کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا ہے نیز ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مدارس

ذہنوں میں وسعت پیدا کرتے ہیں، مذہبی اور مسلکی تعصب سے بچتے اور بچاتے ہیں اور ان میں یہ صلاحیت پیدا کرتے ہیں کہ وہ پیش آمدہ مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے حل پیش کرسکیں۔

نو واردان بساط چمن:

دفتر رابطہ عامہ سے موصول شدہ خبر کے مطابق امسال مختلف شعبہ جات میں درج ذیل افراد کی تقرریاں عمل میں آئی ہیں۔

شعبہ ثانوی طلبہ میں جناب جمال اختر صاحب کی تقرری برائے ریاضی ہوئی ہے آپ نے بی ایس سی، ایم ایس سی اور بی ایڈ اور انگریزی سے ایم اے کیا ہے شعبہ حفظ طالبات میں محترمہ عریشہ تبسم کی تقرری عمل میں آئی ہے۔

شعبہ کمپیوٹر میں جناب پرویز احمد صاحب فلاحی اور نائب لائبریرین کی حیثیت سے جناب عرفان احمد فلاحی علیگ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ واردین کو حسن و خوبی سے فرائض انجام دینے کی توفیق بخشے۔

اظہار تعزیت:

یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ عزیزم عبدالغفار شیخی متعلم عربی ہفتم کے والد محترم ۱۰ جولائی کے اوائل میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور جامعہ سے آپ کو گہری عقیدت اور قلبی لگاؤ تھا۔ ادارہ حیات نو پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور خدا سے دست بدعا ہے کہ وہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے۔ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔